مصباح اعوان

ستارۂ الست

Downloaded From

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

وہ ساری رات ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سو پایا تھا۔ بار بار ایک ہی خیال دل و دماغ پر چھایا رہا۔ دور کہیں ہوتی فجر کی اذان سماعت سے ٹکرائی تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔ خاموشی میں اس آواز نے اسے جھنجھوڑا تھا۔ وہ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھا اور اندھیرے میں بٹن پر ہاتھ مارا تو واش روم میں بلب کی روشنی پھیل گئی۔ چند قدم بڑھ کر آئینے میں خود کو دیکھا۔ وجیہہ سے چہرے پر تھپڑ اور گردن پر انگلیوں اور خراشوں کے نشانات بہت واضح تھے۔ اس کے اندر ایک بار پھر غصے کی شدید لہر ابھری۔ دانت اور مٹھیاں بھینچ کر چند لمحے دیکھتا رہا اور پھر ذہن میں وہی سوچ جس نے اسے پوری رات بے چین رکھا تھا ابھری۔

"وہ وہاں ہوگی یا نہیں؟" واپس مڑا اور کمرے میں آکر اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔ ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر کچھ سوچا۔ پھر اپنے سامنے الٹے پڑے جوگر کو دیکھ کر اس کے ذہن میں کچھ واضح ہوا تھا۔ فیصلہ کر کے تیزی سے اٹھا۔ دوسرا جوگر اور جرابیں ڈھونڈ کر پہنے۔ سردی اور اندھیرے کی پروا کیے بغیر جینز اور آدھی آستینوں والی سفید ٹی شرٹ میں ہی باہر کی طرف بھاگا۔

کل شام جب وہ گھر پہنچا تھا تو بے حد صدمے میں تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی اسے اس قسم کی صورت حال کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ صدمے کے بعد وہ شدید قسم کا غصہ تھا جو اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ وہ کسی بھی طرح اس قسم کے سلوک کا مستحق نہیں تھا۔ پھر خود کو اس غصے اور تکلیف سے نکالنے کے لیے کوشش کرنے لگا‘ کہ اس واقعہ کو بھول جائے۔ جو ہوا سو ہوا۔ اسے بھول جانا ہے اور کبھی دوبارہ وہاں نہیں جانا‘ بلکہ وہ یہ کالج ہی چھوڑ دے گا۔ وہ کہیں اور جاب تلاش کر لے گا‘ لیکن اس سب کے باوجود ایک بات اسے بے حد مضطرب کر رہی تھی کہ "وہ وہاں ہوگی یا نہیں۔" ساری رات اس سوچ کو جھٹکنے کے بعد صبح جب اس کی نگاہ جوگر پر پڑی تو اس نے سوچا‘ اسے وہاں جا کر دیکھ لینا چاہیے۔

مکمل ناول

Downloaded From

READING
Section

بھاگتے ہوئے اس کا سانس پھولنے لگا تھا اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ روزانہ اس سے کہیں زیادہ بھاگتا تھا۔ روزانہ دوڑنا اور سخت جسمانی ورزش اس کا معمول تھا لیکن آج کل کے واقعہ اور سنسنی کی وجہ سے ایسا ہو رہا تھا۔ اس نے دروازے پر رک کر سانس بحال کرنے کی کوشش کی۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر خود پر قابو پایا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ کرسی کے ساتھ اوندھی پڑی تھی۔ بالکل اسی جگہ جہاں وہ کل گری تھی۔ تقی نے پوری رات سوچا تھا۔ "وہ وہاں ہو گی یا نہیں۔" یہ نہیں سوچا تھا کہ اگر وہ وہاں ہوئی تو وہ کیا کرے گا۔

* * *

ارسہ کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جسم میں طاقت بالکل ختم ہو گئی ہے اور اندر سے کوئی کاٹ رہا ہے۔ عجیب اندھیرا سا تھا۔ پوری طاقت لگا کر آنکھیں کھولنے پر بھی دائرے سے بنتے۔ آہستہ آہستہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی سہارا دے کر کچھ پلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ارسہ کڑواہٹ محسوس کرتے ہوئے پی رہی تھی۔ اچانک اسے لگا کہ یہ مشروب اندر گھوم کر واپس آ رہا ہے۔ متلی کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے اس نے منہ پھیر کر خود کو مزید پینے سے بچایا۔ پلانے والے نے سمجھ کر اسے واپس لٹا دیا۔ بہت دیر بعد جب اس کیفیت سے نکلی اور واپس غنودگی میں جا رہی تھی کہ کوئی پھر سے اٹھانے لگا۔ اس بار وہ اسے دوا کھلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بمشکل دوائی نگل کر وہ پھر سو گئی۔

* * *

صبح تک ارسہ کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ تقی نے اسے جگا کر اس کے بیڈ کے ساتھ رکھی میز کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا اور خود چلا گیا۔

ارسہ کوشش کر کے اٹھ بیٹھی۔ وہ دو دن بعد ہوش میں آئی تھی۔ اسے بے حد نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی' اب اس کا ذہن سوئی سوئی کیفیت سے نکل رہا تھا۔ کمرہ بے حد سادہ تھا۔ ایک بڑی سی میز کمرے کے کونے میں کھڑکی کے سامنے رکھی تھی۔ جس پر لیپ ٹاپ' ٹیبل لیمپ' کچھ کتابیں' نوٹس اور چارجر وغیرہ پڑے تھے۔ اس کے علاوہ دو پلنگ جن میں سے ایک پر وہ خود ابھی بیٹھی تھی اور ان کے درمیان چھوٹی سی کمزور سی میز تھی۔ جس پر اس کا ناشتا اور دوائی رکھی تھی۔ سامنے دو دروازے تھے' ایک دروازہ کھلا تھا جو کچن کا تھا اور دوسرا یقیناً" واش روم کا تھا۔ گردن گھما کر دیکھنے پر نظر آتا' تیسرا دروازہ صحن میں کھلتا تھا۔ یہاں بیٹھے وہ اتنا ہی دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے ہمت کر کے اٹھی اور دیوار پکڑتی بند دروازے تک پہنچی۔ اسے دھکیلا' اس کے اندازے کے مطابق وہ واش روم ہی تھا۔ اندر ایک بڑا پرانا شیشہ نظر آیا۔ قریب جا کر دیکھنے پر اسے اپنے ماتھے پر پٹی بندھی نظر آئی پھٹے ہونٹ پر کھرنڈ آ گیا تھا۔ آس پاس کی جگہ نیلی پیلی سی ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے ہونٹ کے زخم کو چھوا۔ پھر ٹونٹی کھول کر ہاتھ بہتے پانی کے نیچے رکھے۔ بائیں ہاتھ کی کلائی میں بے حد درد ہو رہا تھا۔ تکلیف برداشت کرتے ہوئے اس نے ہاتھ دھوئے اور گیلے ہاتھ چہرے پر پھیرے۔ مزید کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔ بے حد کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے واش روم تک جانا بھی ایک بڑی مشقت ثابت ہوا تھا۔ واپس آ کر پلنگ پر ڈھے گئی۔

لیکن پھر سے ہمت کر کے اٹھی اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوئی۔ چائے کا کپ' جیم' ڈبل روٹی اور ابلا ہوا انڈہ۔ ایسا ناشتا ارسہ نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ ارسہ ناشتے میں بھی چائے پینے کی عادی نہیں تھی اور یہ تو اب ویسے بھی پینے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اس کو سامنے چارپائی کے ساتھ دودھ کا گلاس رکھا دکھائی دیا۔ ارسہ چارپائی سے اتر کر زمین پر بیٹھی اور ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھا لیا۔ گلاس میز پر رکھ کر چارپائی کے سہارے اٹھی۔ یہ یقیناً" وہی دودھ تھا جو تقی رات کو اسے پلا رہا تھا۔ گلاس کو تقی نے نوٹ پیڈ سے ڈھانپ دیا تھا۔

گلاس تقریباً" بھرا ہوا ہی تھا۔

"اس چائے سے یہی بہتر ہے۔" اس نے سوچا۔

سردی کی وجہ سے دودھ بھی ٹھنڈا تھا۔ ارسہ نے گھونٹ بھرا۔ اس کا ذائقہ اچھا تھا۔ دوسرے تیسرے گھونٹ پر اسے اندازہ ہوا کہ دودھ میں شہد بھی ملا ہوا ہے۔ اس نے گلاس پورا خالی کردیا۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے ناشتے میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ پھر چارپائیوں اور دیوار کا سہارا لیتے کمرے سے باہر نکل آئی۔ صحن میں چمکیلی دھوپ پھیلی تھی۔ اس گھر میں ایک ہی کمرہ تھا۔ کمرے سے باہر ایک چبوترہ اور آگے کچا صحن تھا اور صحن میں ایک نیم کا درخت لگا ہوا تھا۔ چبوترہ اونچا تھا۔ ارسہ آگے بڑھ کر، ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ زمین ابھی تک سرد تھی لیکن دھوپ سامنے سے پڑ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے اسے سکون محسوس ہوا اور اس کے بے جان وجود میں جان پڑنے لگی۔

"کیا ہوا ہے میرے ساتھ؟" ارسہ نے سوچنے کی کوشش کی۔

* * *

آج سے دو دن پہلے کی شام تھی وہ۔ اوائل سردیوں کے دن تھے لیکن رات اور صبح وقفے وقفے سے ہونے والی بارش کی وجہ سے سردی کی شدت بہت بڑھ گئی تھی۔ شام کو جب ارسہ اور نور اکیڈمی جا رہی تھیں۔ ارسہ نے نور کو بتایا۔

"آج **علشبہ** اور اس کی کزن دونوں نہیں آئیں گی۔ علشبہ نے ٹیکسٹ کیا تھا۔"

"ہم بھی آج جلدی فارغ ہو جائیں گے۔" نور نے ایک نظر ارسہ کو دیکھا۔ بولی کچھ نہیں لیکن اکیڈمی کے قریب جا کر رک گئی۔

"مجھے نہیں جانا، تم جاؤ، میں واپس جا رہی ہوں۔"

"لیکن کیوں؟" ارسہ کو اچنبھا ہوا۔

"میری مرضی۔" نور ہٹ دھرمی سے بولی۔

"لیکن نور! اکیڈمی کے دروازے سے واپس کیوں جا رہی ہو آخر؟" ارسہ کو اکیلے رہ جانے کے خیال سے پریشانی ہوئی۔

"میں نے کہا نا، میری مرضی، تم جاؤ۔" نور نے بھڑک کر تیز آواز میں کہتے ہوئے قدم واپس موڑ لیے۔ اس کے اونچا بولنے پر ارسہ سہم جاتی تھی۔

"نور ایسا مت کرو پلیز۔" ارسہ منمنا کر رہ گئی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی چھوٹی بہن کی مرضی کے خلاف اس کے ساتھ واپس جاتی۔ ارسہ نے ایک نظر تیزی سے دور جاتی نور کو دیکھا، پھر مجبوراً اکیڈمی میں داخل ہوئی اس کا دل بجھ سا گیا تھا۔

"کاش **علشبہ** آج آجاتی۔" جس کلاس میں وہ پڑھتی تھیں وہاں پہلے بی ایس سی کی لڑکیوں کی کلاس ہوتی تھی۔ پھر ارسہ لوگوں کی، آج وہ بھی کم ہی آئی تھیں۔ ارسہ پیچھے جا کر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد اس کی کلاس ہونی تھی۔

"میں بھی آج نہ ہی آتی۔ نور تو بالکل بھروسے کے قابل نہیں ہے۔ آج کے بعد علشبہ نے نہ آنا ہوا، تو میں بھی نہیں آؤں گی۔" اس نے مصمم ارادہ کیا اور کل کا لیکچر دہرانے لگی۔ میڈم نے بڑی لڑکیوں کو فارغ کرکے اسے پڑھایا اور چلی گئیں۔ پھر سر تقی آئے اور اسے نئے باب کے نوٹس دیے۔ اس سے پہلے وہ اگلا لیکچر شروع کرتے، اس نے پچھلے لیکچر کے کچھ سمجھ میں نہ آنے والے سوال سامنے کیے کہ پہلے یہ سمجھا دیں۔ وہ سمجھ کے اس نے اگلے لیکچر کے نوٹس سر کے سامنے کر دیے لیکن سر نے پڑھانے کی بجائے کہا کہ وہ خود یہ پڑھ کر آئے۔ جو سمجھ میں نہیں آئے گا، وہ کل سمجھا دیں گے۔

"یہ پورا باب؟" ارسہ نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔" سر پھر سے بیٹھ کر نشان لگا کر بتانے لگے کہ وہ کیا، کیا پڑھ کر آئے۔ اسی اثنا میں اکیڈمی کا پچھلا دروازہ جو اسی کمرے میں کھلتا تھا، ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کھلا۔ دونوں نے چونک کر دیکھا۔ آنے والے ارسہ کے بابا اور ساتھ میں نور تھی لیکن وہ کہہ کیا رہی تھی؟

"دیکھا بابا آپ نے، روز یہی ہوتا ہے یا ہمیں یہ دوسری کلاس میں بھیج دیتا ہے یا اسے لے جاتا ہے۔"

READING
Section

نور انتہائی بدتمیزی سے اونچا اونچا بول رہی تھی۔ ارسہ کو نور کی بات اپنے بابا کا غصے سے مسخ ہوتا چہرہ دیکھ کر سمجھ میں آئی تھی۔ یہ نور کا ایک اور وار تھا۔ وہ کچھ اور سیٹ کر چکی تھی اس پر لیکن یہ کیا تھا؟ اور اسے کتنا مہنگا پڑنے والا تھا۔ یہ وہ قطعا” نہیں سمجھ پائی تھی اس وقت۔ زیادہ تر کلاسز ختم ہو چکی تھیں موسم کی وجہ سے اسٹوڈنٹس کی اکثریت جا چکی تھی۔

ان کے بابا سر تقی پر بھوکے شیر کی طرح جھپٹے تھے۔ انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر بری طرح پیٹنے لگے، ساتھ ان کے منہ سے گالیوں کا ایک طوفان امڈ رہا تھا۔ ایک لمحے کو ارسہ ٹھٹھر گئی۔ پھر تیزی سے خود کو سنبھال کر آگے بڑھی۔ وہ انہیں روکنا چاہتی تھی۔ اس نے جیسے ہی اپنے بابا کے بازو کو پکڑتے ہوئے انہیں روکنا اور صفائی میں کچھ کہنا چاہا۔۔۔ ان کے زناٹے دار تھپڑ نے اسے دھول چٹا دی۔ اس کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ تھپڑ سے اس کا سر دیوار سے لگا اور وہ پلٹ کر اوندھے منہ جا گری۔ پھر نہ اٹھنے کے لیے۔۔۔ یہ ارسہ کو اب تک کی زندگی میں پڑنے والا پہلا تھپڑ تھا۔ اس کے منہ میں مٹی اور خون کا ملا جلا ذائقہ گھلنے لگا۔

* * *

رات کے کسی پہر ہوش میں آنے پر بھی وہ سیدھی نہیں ہوئی۔ اسے اب بھی نہیں اٹھنا تھا۔ اس سب کے بعد تو کبھی بھی نہیں۔ اتنا رکیک الزام۔۔۔ جانوروں سے بدتر سلوک۔۔۔ مجھے مارا اور پھینک کر چلے گئے۔ کسی کا سگا باپ ایسا سلوک کر سکتا ہے، اپنی اولاد کے ساتھ۔۔۔؟

مگر پھر کوئی آیا، اس کا بازو دبوچا اور گھسیٹتے ہوئے لے جا کر کسی کمرے میں چارپائی پر پھینک دیا اور خود کہیں چلا گیا۔ اندھیرا روشنی میں بدل رہا تھا۔ پھر کچھ لوگ آ گئے وہاں۔۔۔ ان میں ایک عورت بھی تھی۔ جو اس کا خون صاف کر کے پٹی کر رہی تھی لیکن پھر جو ہوا۔۔۔ وہ اس کی زندگی میں ہونے والی ایک اور بڑی تبدیلی تھی، صرف اس کی ہی نہیں کسی اور کی بھی زندگی بدل گئی تھی۔ ایک دوسرے سے یکسر مختلف اور انجان لوگوں کے درمیان ایک تعلق، ایک رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ ارسہ اور تقی کا نکاح۔۔۔ تقی۔۔۔ اسلام آباد سے کچھ عرصہ پہلے آنے والا کیمسٹری کا نیا ٹیچر۔۔۔

اس نے خوف زدہ ہو کر یہاں سے وہاں دیکھا۔ صبح اب دوپہر میں ڈھل گئی تھی۔ ارسہ وہاں ہی بیٹھے بیٹھے خود پر گزرنے والے واقعات کو سوچ رہی تھی۔ حواس لوٹنے پر اسے ادراک ہوا تھا کہ وہ کن مشکلات میں گھر چکی ہے۔ اب اگر وہ کالج گئی تو لوگوں کا سامنا کس طرح کرے گی؟ وہ سر تقی کے ساتھ آتی جاتی ہے، سر کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ یہ بات چھپ تو نہیں سکتی۔ یہ دیہاتی ماحول ہے، زیادہ تر لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ پھر لوگوں کے سوالوں کے جواب کس طرح دے پائے گی؟ اس سب کے بعد وہ پہلی بار پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ جب روتے روتے سر چکرانے لگا تو اسی طرح بیٹھے بیٹھے پیچھے زمین پر لیٹ گئی۔

“اگر میں کالج ہی نہ جاؤں تو۔۔۔؟”

“نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔” اگلے لمحے خود ہی اپنے خیال کی نفی کی۔ “ایسے منہ چھپانے سے مشکلات ٹل نہیں جاتیں۔ مجھے پتا ہے نا، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ پھر کالج کیوں نہ جاؤں؟ مجھے پڑھنے کا شوق ہے۔ میری امی بھی مجھے پڑھانا چاہتی تھیں۔ فرسٹ ایر میں اتنی محنت کی ہے میں نے، اب سیکنڈ ایر میں لوگوں کے ڈر سے پڑھائی چھوڑ دوں؟ نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔” نفی میں سر ہلاتے خود کلامی کی۔ “اگر مجھے کسی نے روکا تو میں اس بھوت بنگلے میں مر ہی جاؤں گی۔” اس نے اس ویران، سنسان پڑے گھر کو دیکھا۔ پھر بہت حوصلے سے اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

* * *

تقی کے کالج سے واپس آنے سے پہلے وہ اپنے مسئلے کا حل ڈھونڈ چکی تھی۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ وہ تقی کو اکیڈمی سے اپنا بیگ لانے کو کہے گی لیکن اندر

READING
Section

آئی تو اسے اپنا بیگ تقی کی چارپائی کے دوسری طرف پڑا نظر آ گیا۔ تقی اس کا بیگ اور کتابیں جو وہ اکیڈمی لے کر جایا کرتی تھی' بعد میں وہاں سے اٹھا لایا تھا۔ اس نے اپنا بیگ کھولا تو اسے اپنا پاؤچ مل گیا۔ جس میں اس کے گھر کی چابیاں تھیں' جہاں وہ پہلے اپنی امی کے ساتھ رہا کرتی تھی۔

اس کی زندگی میں مصائب کا آغاز تو اس کی امی کی حادثاتی موت کے بعد ہی ہوا تھا۔ امی کی وفات کے بعد جب اس کا باپ اسے لینے آیا تھا' تو ارسہ نے صرف اپنے یونیفارم کے علاوہ چند کپڑوں کے جوڑے اور کتابیں ہی اٹھائی تھیں' کیونکہ اس کے باپ نے بڑے کروفر سے یہ کہہ کر اسے کچھ اور لینے سے منع کر دیا تھا کہ اسے وہاں سب ملے گا۔ اس کے باپ کے پاس سب کچھ ہے۔ ارسہ کو واقعی وہاں سب ملا تھا۔ سوائے عزت اور محبت کے۔ اب اسے تقی کی اجازت درکار تھی۔ اپنی چارپائی پر لیٹ کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

ارسہ تقی کے ردعمل سے ڈر بھی رہی تھی۔ اس کے باپ نے تقی کو بری طرح زدوکوب کیا تھا۔ اب وہ اس کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ جو چاہے سلوک کرتا اس کے ساتھ' اسے کون پوچھنے والا تھا؟ اگر وہ کچھ برا نہ بھی کرتا تب بھی ارسہ کے لیے اس سے نظر ملانا کتنا مشکل ہوگا۔ وہ ساری زندگی سر نہیں اٹھا سکے گی اس کے سامنے۔ تقی حسب معمول کھانا لیتے ہوئے آیا تھا اور اپنے ساتھ اس کے لیے بھی نکال کر اسے دیا۔ یہ تقی کا بڑا پن ہی ہے۔ ارسہ نے سوچا اور خاموشی سے لے کر تھوڑا سا کھا لیا۔ پھر ڈرتے ڈرتے اسے مخاطب کیا۔

"سر! میں علشبہ کے ساتھ جا کر اپنے گھر سے اپنا ضروری سامان لے آؤں؟" تقی نے ایک بار بھی نہیں پوچھا کون سا گھر؟ اس کے بجائے انتہائی خشک لہجے میں۔ "جو کرنا ہے کرو۔" کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔ ارسہ اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے بمشکل اٹھی۔ دل بھر آ رہا تھا۔ بیگ کھول کر چادر اوڑھی' پھر باہر

ماہنامہ کرن

فروری 2016 کا شمارہ شائع ہو گیا

- ادا کارہ "ایمن خان" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- ادا کارہ "بجل علی" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "نعیم خان"
- اس ماہ "سیدہ لوبا سجاد" کے "مقابل ہے آئینہ"
- "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا نیا سلسلے وار ناول،
- "رابنزل" حنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول،
- "ردائے وفا" فرحین اظفر کے سلسلے وار ناول کی آخری قسط،
- "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" نایاب جیلانی کا مکمل ناول،
- "وہی درد میری حیات ہے" قرۃ العین خرم ہاشمی کا مکمل ناول،
- "شاید" فائزہ افتخار کا دلکش ناولٹ،
- "جان حیات" سویرا فلک کا ناولٹ،
- "برسات محبت کی" شبینہ گل کا ناولٹ،
- شبانہ شوکت، ماہم علی، بنت سحر اور فرحت شوکت کے افسانے اور مستقل سلسلے

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

"چہرے بولتے ہیں"

کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے

نکل آئی لیکن ایک لمحے کو چکرا کر رہ گئی، اسے جانا کس طرف ہے؟ یہ اس کا اپنا قصبہ تھا مگر وہ اس طرف کبھی نہیں آئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کس طرف جائے، لیکن پھر اندازے سے کسی طرف جانے کے بجائے وہاں سے گزرتی ایک عورت سے اپنے محلے کا نام بتا کر رہنمائی لی۔ اس نے چادر سے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ آنسو اس کی چادر میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ بہت مہینوں بعد اس طرف آئی تھی۔ علشبہ کے گھر کے دروازے کو دیکھ کر اسے لگا جیسے لمبی مسافت کے بعد لٹی پٹی اپنوں میں پہنچ گئی ہو۔ علشبہ کے گھر کا گیٹ کھٹکھٹانے سے پہلے مڑ کر اس کے مقابل اپنے گھر کو دیکھا۔ اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔

"پہلے سب کتنا اچھا تھا۔" اس نے ایک ہچکی لی۔ پھر بہتی آنکھوں کے ساتھ علشبہ کے گھر کا گیٹ دونوں ہاتھوں سے پیٹ ڈالا۔ وہ کن دقتوں سے یہاں تک پہنچی تھی، یہ بس وہی جانتی تھی۔ گیٹ علشبہ کی چھوٹی بہن نے کھولا۔ حیران نظروں سے روتی ہوئی ارسہ کو دیکھ کر پوچھا۔

"ارسہ باجی! کیا ہوا؟" پھر اندر کی طرف منہ کر کے زور سے علشبہ کو آواز دی۔ علشبہ کچن سے نکلی، ارسہ کو دیکھ کر دوڑتی ہوئی اس تک پہنچی۔ بے اختیار اسے گلے لگاتے ہوئے پریشانی سے پوچھنے لگی۔

"ارسہ! کیا ہوا؟ کہاں غائب ہو؟ دو دن سے کالج کیوں نہیں آرہیں؟ اور یہ زخم۔۔۔ کس نے مارا ہے تمہیں؟" کوئی جواب دیے بنا ارسہ، علشبہ کے گلے لگی۔ ہچکیوں سے روتی رہی۔

"کچھ تو بولو۔" علشبہ کا دل ہول رہا تھا۔ بہت دیر بعد سنبھل کر پانی پیا اور علشبہ کو ساری بات بتائی۔ پوری بات سن کر علشبہ کے تو ہوش ہی اڑ گئے۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھے کتنی ہی دیر صدمے کے عالم میں بیٹھی رہی۔

"میرے خدا! نور ایسا کیسے کر سکتی ہے؟ اور تمہارے فادر۔۔۔ تمہاری شادی ہو گئی۔ وہ بھی سر تقی سے۔۔۔ وہ تو اس علاقے کے ہیں بھی نہیں۔ وہ کون ہیں؟ کہاں سے ہیں؟ یہ تو شاید ٹیچرز کو بھی نہیں پتا۔" بے یقینی سے تیز تیز بولتے گڑبڑائی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اپنی دوست کو مزید پریشان کر رہی ہے۔

"خیر پرنسپل صاحب کو تو پتا ہی ہوگا، سر کے بارے میں سب۔ ظاہر ہے انہوں نے کچھ سوچ کر ہی یہ کیا ہوگا۔ اللہ بہتر کرے گا تم حوصلہ رکھو۔" اب کہ ڈھارس بندھائی۔ "اتنا کچھ ہو گیا تمہارے ساتھ اور ہمیں پتا ہی نہیں چلا۔ تمہارے کالج نہ آنے پر میں تمہیں کالز کرتی رہی، کسی نے پک نہیں کی اور پھر کل نمبر ہی آف ہو گیا۔ موبائل کی بیٹری ختم ہو گئی ہو گی۔" علشبہ خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی۔

"علشبہ! باقی چیزیں تو میں یہاں سے لے جاؤں گی، پرانا یونیفارم بھی رکھا ہے لیکن آدھی کتابیں اور نوٹس تو وہاں ہی رہ گئے۔" ارسہ نے وہ بات کی جس کے لیے وہ یہاں آئی تھی۔ اس کی آواز رونے سے بھاری ہو رہی تھی۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ کوئی بات نہیں۔ میرے پاس جو ہے سب، ہم مینیج کر لیں گے، تم فکر مت کرو۔" علشبہ نے اسے پریشانی سے نکالنے کی کوشش کی۔ علشبہ کے امی، ابو گھر پر نہیں تھے۔

دونوں نے جا کر ارسہ کے گھر کو کھولا اور ضرورت کی چیزیں اٹھائیں۔ علشبہ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ ارسہ کو چھوڑنے آئی تھی۔ گھر کا گیٹ اسی طرح کھلا تھا۔ تقی کمرے میں بھی نہیں تھا۔ تینوں نے سامان رکھا۔ علشبہ نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا اور چارپائی پر اپنے بھائی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ارسہ اس کے سامنے چارپائی پر بیٹھ گئی۔ وہ بہت تھکی تھکی اور کمزور لگ رہی تھی۔ وہ ارسہ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ سر کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے؟ مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش رہی۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ آنے والا وقت اس کے لیے خاصا کٹھن ہوگا۔

ارسہ گیٹ بند کر کے اندر آئی۔ پھر کچن کے پچھلے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ تقی سیڑھیوں پر لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ اس نے ارسہ کی موجودگی

محسوس کر کے بھی اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ ارسہ نم آنکھیں رگڑتی واپس کمرے میں چلی آئی۔

* * *

اگلے دن کالج میں بریک سے پہلے، پرنسپل صاحب نے ارسہ کو اپنے آفس بلانے پر، اس نے بہت سے لوگوں کا متوجہ ہونا محسوس کیا تھا۔ یہ بات کالج میں اس کی توقع سے زیادہ تیزی سے پھیلی تھی۔ سر فون پر کسی سے بات کر رہے تھے۔ ارسہ کے اجازت طلب کرنے پر، پرنسپل صاحب نے اشارے سے آنے کی اجازت دی۔ پھر فون بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بیٹھیں بیٹا، کیسی ہیں آپ؟"

"فائن سر۔" ارسہ نے بہت ہلکی آواز میں جواب دیا۔

"ارسہ بیٹا! آپ ہمارے کالج کی بہترین طالبہ ہیں۔" سر نے بات کا آغاز کیا۔ "جو بھی ہوا، وہ ایک غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ یہ میں جانتا ہوں۔ میں نے اسی وقت صداقت صاحب (ارسہ کے بابا کے کاروباری شراکت دار) سے آپ کے والد صاحب کا نمبر لے کر انہیں کال کی تھی۔ لیکن ان کا رویہ بڑا مایوس کن تھا۔ وہ کوئی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔ انہوں نے جو آخری بات کی وہ یہ تھی کہ میں اس لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ وہ مجھے دوبارہ نظر آئی تو میں اسے جان سے مار دوں گا اور مزید اسی قسم کی کچھ باتیں۔" مزید باتیں یقیناً "وہ ہوں گی' جو وہ ابھی ارسہ کے سامنے دہرا بھی نہیں پا رہے تھے۔ پھر کرسی سے ذرا آگے جھک کر مزید کہا۔

"بیٹا اس وقت مجھے جو حل سوجھا وہ میں نے تجویز کے طور پر سب کے سامنے رکھا۔ پھر تقی صاحب کی رضامندی سے یہ نکاح ہوا ہے۔" ارسہ کو بغور دیکھا۔

"بیٹا آپ پریشان مت ہوں۔" پرنسپل صاحب نے پیشانی مسلی۔ "میں تقی صاحب اور ان کے بھائی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ مزید کوئی مسئلہ ہو تو آپ بلا جھجک مجھے کہہ سکتی ہیں۔" ان کے لہجے میں خلوص جھلکتا تھا۔

"یس سر۔" ارسہ بمشکل بول پائی۔ اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ اٹک رہا تھا۔ واقعی کچھ آسمانی اور بہت مقدس رشتے بھی ہمیں راس نہیں آتے۔ جیسے میری ماں کو شوہر اور مجھے باپ۔۔۔ آنکھیں میچ کر کھولیں۔ پرنسپل صاحب نے بات ختم کر کے اسے جانے کی اجازت دی۔ تو ارسہ مرے مرے قدموں سے کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔

* * *

دو ہفتوں بعد زندگی اسی ڈگر پر چلنے لگی، جانے کتنی مدت تک چلتی انجام کیا ہوتا۔ اس سب سے بے خبر وہ دونوں بس دن سے رات اور رات سے دن کر رہے تھے۔ ارسہ کے آنے سے پہلے تقی باہر کھانا کھاتا، لیکن کبھی کبھار گھر میں بھی بنا لیتا تھا۔ اس لیے کچھ سامان بھی لا چکا تھا جو باقی تھا۔ اس کی لسٹ اور جو چیزیں ارسہ کو ذاتی استعمال کے لیے چاہیے تھیں، ان کی لسٹ بنانے کے لیے اس نے ارسہ سے کہا تھا۔ ارسہ کو صرف پڑھنے اور اپنے پودوں میں دلچسپی ہوا کرتی تھی۔ اس کی ماں نے اس سے کبھی کام کا نہیں کہا تھا، نہ اس کو خود کبھی ایسا خیال آیا تھا۔ وہ بہت دل جمعی سے پڑھتی تھی، کیونکہ اس کی ماں اس سے صرف اچھے گریڈز چاہتی تھی لیکن اب ظاہر ہے، کھانا اور گھر کے دیگر کام ارسہ کو ہی کرنے تھے۔ سو اس نے علشبہ سے پوچھ کر کچھ الٹا سیدھا کھانا بنانا شروع کر دیا تھا۔ تقی جو بھی جیسا بھی ہوتا خاموشی سے کھا لیتا۔ اس کے علاوہ دونوں ایک دوسرے سے مخاطب نہیں ہوتے تھے۔ تقی صرف ضرورت کے وقت بات کرتا تھا اور ارسہ کے لیے یہ بھی مشکل تھا۔ تقی اتنا سنجیدہ اور لیے دیے رہتا کہ ارسہ کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ اس سے کوئی بات کر پاتی۔

ارسہ اور تقی کا جو استاد شاگرد والا رشتہ تھا، وہ بھی اب ویسا نہیں رہا تھا۔ پہلے جو بات سمجھ میں نہیں آتی تھی وہ بڑے اعتماد سے پوچھ لیا کرتی تھی، مگر اب ایسا

نہیں تھا۔ ارسہ کو اسے مخاطب کرنے سے ڈر لگنے لگا تھا۔ اسے لگتا کہ وہ اسے مخاطب کرے گی، تو وہ اپنی ساری بھڑاس، سارا غصہ اس پر نکال دے گا۔ کالج میں ان کا تعلق ایک بہت بڑا اسکینڈل بن چکا تھا۔ لوگ کچھ بھولتے نہ اسے بھولنے دے رہے تھے۔

کلاس کی وہ لڑکیاں جو پڑھائی یا دوسری غیر نصابی سرگرمیوں میں کبھی ارسہ کے مقابلے میں آگے نہیں بڑھ پائی تھیں۔ اب اس ساری جلن کا بدلہ لینے کا وقت تھا۔ اس کو دیکھ کر سرگوشیاں کرنا، طنز کرنا، تقی کے حوالے سے باتیں کرنا، پھر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنا۔ ان کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا تھا۔ اس سب کی وجہ سے اس کا اعتماد ختم ہوتا جا رہا تھا۔ پڑھائی سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی ٹیسٹ رپورٹس پر واضح فرق پڑا تھا، بلکہ اب اس کا کالج جانے کو ہی دل نہیں کرتا تھا۔

وہ اکثر کالج جاتے ہوئے پورا راستہ سوچتی، کوئی گاڑی اسے کچل کر نکل جائے یا کالج میں بلاسٹ ہو جائے اور صرف وہ مر جائے۔ زلزلہ آئے اور کالج کی بلڈنگ گر جائے اور وہ اندر ہی دب کر مر جائے۔۔۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اپنی پریشانی، اپنی تکلیف کس کو بتاتی؟ لے دے کر **علشبہ** ہی تھی لیکن وہ کون سا تجربہ کار عورت تھی۔ وہ بھی تو ارسہ کی طرح ہی کم عمر اور نادان سی لڑکی تھی۔ **علشبہ** حتیٰ الامکان اسے سمجھانے کی کوشش کرتی کہ اسے لوگوں کی باتوں کو دل پر نہیں لینا چاہیے اور خاموشی سے اپنا کام کرنا چاہیے مگر ایسا ہو نہیں پایا تھا۔ لوگوں کے رویے اور طنزیہ باتیں۔ اسے کہیں نہ کہیں بہت بری لگتی تھیں۔ وہ بری طرح ہرٹ ہوتی تھی۔ وہ اکثر غائب دماغی کی سی کیفیت میں کالج سے اٹھ آتی۔ جیسے ابھی سامنے کتاب کھول کر بیٹھی تھی اور پڑھ کچھ نہیں رہی تھی۔

کچھ دیر اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر تقی کو دیکھا۔ وہ کرسی پر بیٹھا، کل کے لیے لیکچرز تیار کر رہا تھا۔ ارسہ کی طرف اس کی پشت تھی۔ اس کا دل بوجھل ہوا۔

"جانے سر کی زندگی پہلے کیسے تھی۔ کون کون تھا ان کی زندگی میں؟ پتا نہیں کتنے لوگوں کی ذمہ داری تھی ان پر اور مجھے میری تمام ضروریات کے ساتھ ان کے سر تھوپ دیا گیا ہے۔" وہ تقی کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں جانتی تھی۔ کیونکہ تقی نے اس کو اپنے بارے میں کچھ بتایا تھا، نہ اس سے کبھی کچھ پوچھا تھا لیکن تقی کے رویے سے ایک بات سمجھ چکی تھی۔ وہ اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔

☼ ☼ ☼

اس دن اردو کی کلاس تھی۔ آخری پیریڈ تھا لیکن سر نہیں آئے تھے۔ سر حمید بڑی عمر کے شفیق سے پروفیسر تھے۔ ارسہ تشریح میں لکھنے کے لیے حوالے کے شعر نوٹ کر رہی تھی۔ جو سر نے لکھوائے تھے لیکن ارسہ نوٹ نہیں کر سکی تھی۔ ارسہ کو شعر یاد نہیں رہتے تھے۔ لکھ کر بار بار دہرانے پڑتے تھے۔ جب ہی کچھ یاد رہتا۔ تھوڑی دیر بعد تقی کلاس میں داخل ہوا۔ سب لڑکیاں اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ درمیان سے کسی کی آواز آئی۔

"سر! یہ تو سر حمید کی کلاس ہے۔"

"جی۔۔۔ وہ نہیں آئے۔ اس لیے مجھے بھیج دیا گیا ہے۔" تقی نے نظریں گھما کر بولنے والی کو تلاشنا چاہا۔

"سر ان کے فادر کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔" رافعہ نے بتایا۔

"ان کے فادر ابھی تک زندہ تھے؟" تقی معصومیت بھری حیرت سے بولا اور ہاتھ میں پکڑی کتاب کھول لی۔ ارسہ سمیت پوری کلاس کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ ابھری۔

"یہ بھی نا۔۔۔ ساتھی ٹیچر کے بارے میں بھی کوئی ایسے لاعلم ہو سکتا ہے بھلا۔" ارسہ نے **علشبہ** کو دیکھا شاید وہ بھی یہی سوچ رہی تھی۔

"سر آپ کے فادر ہیں؟" رافعہ نے بڑی ہمت دکھائی تھی۔

"جی بہتر ہیں۔ جو دل ہو، پوچھ لیتی ہیں۔" ارسہ

نے سوچا اور جواب کے لیے تقی کی طرف متوجہ ہوئی۔ دو مہینے ہوگئے ہیں ایسے رہتے ہوئے۔ چلو کچھ تو پتا چلے۔ تقی کتاب میں کوئی چیز انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

"جی؟" چونک کر سر اٹھایا اور رافعہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"سر آپ کے فادر ہیں؟" رافعہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"اپنا پڑھیں بچے شاباش۔۔۔" یہ تقی کا جواب تھا۔ اب وہ دوبارہ اپنی کتاب کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس پر رافعہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ جبکہ ارسہ نے سوچا۔

"کچھ نہ ہی پوچھنا بہتر ہے۔"

"گرلز! آپ کچھ پڑھ لیں اور کلاس سے باہر آواز نہ جائے پلیز۔" اور خود شکل پر ڈھیروں بے زاری لیے کلاس سے نکل گیا۔ شاید پورا دن کھڑے کھڑے تھک گیا تھا۔ تقی کا آخری پیریڈ فری ہوتا تھا۔

رافعہ نے پیچھے اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ارسہ کو آواز لگائی۔

"ارسہ! تم بتاؤ سر کے فادر ہیں؟ تمہیں تو پتا ہی ہوگا سر کی فیملی کے بارے میں۔" اس بات پر سب لڑکیاں ارسہ کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگیں، ارسہ نے تھوک نگلا۔ وہ اب کیا جواب دے۔ وہ بھی اتنی ہی انجان تھی جیسے کہ وہ سب۔۔۔ ارسہ نے سر گھما کر رافعہ کو دیکھا اور بگڑے لہجے میں بولی۔

"تمہیں کیا انٹرسٹ ہے سر کی فیملی میں؟ اپنے کام سے کام رکھو۔" اور کتاب چہرے کے آگے کر لی۔ اکثر لوگوں کے پاس جب کسی بات کا جواب نہ ہو یا وہ جواب دینا نہ چاہ رہے ہوں، تو الٹا اگلے پر بگڑ کر جان چھڑاتے ہیں۔ ارسہ نے بھی یہی کیا تھا۔

* * *

سردی اپنے عروج پر تھی اور اس رات تو سردی اتنی بڑھی کہ ارسہ کو کمبل سردی کی شدت کے سامنے کم لگنے لگا تھا۔ وہ کب سے سردی سے دھیان ہٹا کر سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر بے سود۔۔۔ ارسہ کے دانت بجنے لگے تھے۔ پتا نہیں رات کا کون سا پہر تھا اور صبح کب ہونی تھی۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ جلدی صبح ہو جائے، ورنہ تو وہ اکڑ کر مر جائے گی۔ اتنی سردی اور اندھیرے میں وہ کیا کرے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اٹھی اور ٹانگیں سینے سے لگا کر بیٹھ گئی اور کمبل اچھی طرح اپنے اردگرد لپیٹنے کی کوشش کی۔ بہت دیر اسی طرح بیٹھنے کے باوجود بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اسے ٹھنڈ اپنے جسم سے لہریں بنا کر گزرتی محسوس ہو رہی تھی۔ ارسہ نے بے بسی سے رونا شروع کر دیا۔ وہ آواز دبا کر گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی مگر کبھی کبھی سسکی کی آواز سے کمرے کی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا ہوتا۔ بیٹھ کر روتے روتے اب اس کی باقاعدہ ہچکی بندھ چکی تھی۔ کسی احساس کے تحت تقی کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ محسوس کرتے ہوئے اس نے پکارا۔

"ارسہ۔۔۔" تقی کی نیند میں ڈوبی آواز پر وہ ساکت ہوئی۔ "ارسہ کیا ہوا؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"سردی ہے۔" ارسہ بمشکل آواز پر قابو پا کر بول پائی۔ تقی نے ایک جھٹکے سے اٹھ کر لائٹ آن کی۔ ارسہ نے ڈرتے ڈرتے تقی کی طرف دیکھا۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ بلب کی روشنی پڑنے پر اس کے گالوں اور آنکھوں کی نمی چمکنے لگی۔ وہ پتا نہیں کب سے رو رہی تھی۔ تقی اب دونوں ہاتھ سر پر رکھے حیرت سے آنکھوں اور نیم وا لبوں سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے اسی طرح دیکھتے رہنے کے بعد پوچھا۔

"تم سردی کی وجہ سے رو رہی ہو؟" آواز میں بھی حیرت نمایاں تھی۔ ارسہ کوئی جواب دیے بغیر اسی طرح دیکھتی رہی۔ تقی نے نفی میں سر ہلایا۔ جیسے الفاظ گم ہو گئے ہوں۔ پھر آگے بڑھ کر اپنا کمبل اٹھایا، اس کو ڈبل کیا اور ارسہ کی طرف مڑا۔

"لیٹو۔۔۔" ارسہ لیٹ تو گئی لیکن اگر وہ اپنا کمبل اس کو دے رہا تھا، تو اس نے خود کیا کرنا تھا؟ ارسہ کو نئی

پریشانی لاحق ہوئی۔ تقی نے اپنا کمبل اسے اوڑھا دیا تھا۔ تقی کا کمبل زیادہ بڑا اور بھاری تھا۔ ارسہ نے ایک لمحے کو آنکھیں موند کر سکون محسوس کیا۔ پھر آنکھیں کھولیں اور سر اٹھا کر تقی کو دیکھنے لگی۔ تقی نے اپنا گرم جیکٹ پہنا۔ پھر نیچے جھک کر اپنے جوتوں سے جرابیں نکال کر پہنیں۔ ادھر ادھر دیکھا تکیے کے ساتھ پڑی ہوئی اونی ٹوپی اٹھا کر پہنی۔ پھر تکیہ اور اپنا موبائل اٹھا کر چارپائی کی چادر اتاری، آگے بڑھ کر لائٹ بند کر لی اور چادر اوڑھ کر سو گیا۔ ارسہ کو اب بھی اس کی فکر ہو رہی تھی۔ اتنی سردی میں بنا کمبل کے وہ کیسے سو پائے گا۔ مگر کچھ ہی دیر بعد تقی کے آہستہ آہستہ خراٹوں کی آواز پر مطمئن ہو کر دانت نکالے اور کمبلوں میں منہ چھپا کر کروٹ لی۔ پھر کچھ ہی دیر بعد نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

* * *

صبح ناشتا بناتے ہوئے ارسہ مسلسل سوچتی رہی کہ وہ تقی سے پوچھے گی کہ وہ رات کو ٹھیک سویا تھا۔ اس کو سردی تو نہیں لگی تھی۔ لاشعوری طور پر تشکر کے جذبے کے زیر اثر شکریے کے طور پر اس سے یہ پوچھنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ارسہ نے کبھی کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آج کرنا چاہتی تھی لیکن براہ راست شکریہ ادا کرنا اس کے لیے ایک مشکل امر تھا۔

"ہاں مجھے ضرور پوچھنا چاہیے۔" ایک بار... مصمم ارادہ کرتے ہوئے ناشتا باہر لا کر رکھا۔ ناشتا کرتے ہوئے ارسہ نے تقی کو دیکھا۔ پھر فوراً" نظریں جھکا لیں۔ "اب پوچھتی ہوں۔" پھر چور نظروں سے دیکھا تو احساس ہوا کہ کوئی بات کرنا تو دور کی بات، اس کے لیے نظر بھر کر تقی کو دیکھنا بھی مشکل تھا۔

"سر کو صرف لیکچر کے دوران ہی دیکھا جا سکتا ہے۔" اس نے سوچا، پھر تقی کے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ اس کے چھوٹے چھوٹے پراٹھوں کے بڑے بڑے نوالے لے رہا تھا۔ "کچھ بھی ہو، ایک بار پوچھوں گی ضرور... ون... ٹو... تھری..." مگر بولا ہی نہیں گیا۔ ناشتے کے بعد تقی کے لیے چائے لینے کچن میں گئی۔

"چلو پوچھتی ہوں چائے کیسی ہے؟" چائے کا کپ اٹھایا اور خاموشی سے دے کر واپس آ گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ "اف کیا مصیبت ہے، بولا ہی نہیں جاتا کچھ۔" بری طرح جھلائی۔ اپنی اس کم ہمتی پر، کاؤنٹر پر ہاتھ رکھے، سامنے پڑے جگ کو گھورتی رہی۔

"جلدی کرو، دیر ہو رہی ہے۔" باہر سے تقی کی آواز اسے ہوش میں لائی۔ وہ "اوہ..." کہہ کر واش روم کی طرف بھاگی۔ جلدی جلدی تیار ہو کے باہر آئی۔ شوز پہن کر، چادر اوڑھی۔

تقی چائے پی کر کپ اندر رکھ آیا تھا اور اب موبائل پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ اصل میں ارسہ کے تیار ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ ارسہ نے بیگ اٹھایا۔ بیگ رات کو ہی تیار رکھتی تھی۔ تالے سے چابی نکال کر تقی کو تھمائی اور خود دروازے بند کیے۔ گیٹ کو تالا لگا کر تقی کے پیچھے چلنے لگی۔

"چلو اب پوچھتی ہوں۔ چائے کا پوچھوں یا رات کا؟ چائے کا تو تب پوچھنا چاہیے تھا نا۔ اب سردی کا پوچھتی ہوں۔" فیصلہ کر کے تیز قدم اٹھاتے ہوئے تقی کے قریب جانے کی کوشش کی اور خاموشی سے چلتی رہی۔ یہاں تک کہ کالج کا گیٹ نظر آنے لگا۔ پھر منہ بنایا، سر جھٹکا اور اچانک زوردار آواز میں بول اٹھی۔

"سر آپ کو رات سردی تو نہیں لگی تھی؟" پھر احساس ہوا کہ آواز تو کچھ زیادہ ہی اونچی تھی... مگر... تقی نے کچھ چونک کر اپنی رفتار کم کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"نہیں... سردی نہیں تھی اور میرا نہیں خیال اس علاقے میں کچھ خاص سردی پڑتی ہو گی۔ ہم پہاڑی لوگ ہیں۔ ہمارا اس سردی سے کچھ نہیں بگڑتا۔" اپنے مخصوص متانت بھرے انداز میں جواب دیا۔

"اور ہر بار مسائل صرف رونے سے حل نہیں ہو جائیں گے۔" کچھ توقف کے بعد اپنی بات میں

اضافہ کرتا اسٹاف روم کی طرف بڑھ گیا۔ یعنی کہنا پڑے گا یا مسائل کے حل کے لیے کوشش کرنی پڑے گی۔ مگر ارسہ نے اس بات پر غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ وہ اسی بات پر خوش ہو رہی تھی کہ اس نے ایک بات پوچھ لی ہے اور سر نے اس کا جواب بھی دیا ہے' وہ بھی اتنا لمبا۔

"پہاڑی لوگ..." کلاس میں داخل ہونے سے پہلے اس نے یوں منہ بنا کر سر ہلایا جیسے کسی تفتیشی آفیسر کے ہاتھ بڑی اہم معلومات لگی ہو۔

* * *

ہر تین ماہ بعد کالج میں تمام مضامین کی ایک ٹیسٹ رپورٹ تیار ہوتی تھی۔ ارسہ کی یہ رپورٹ تقی کو ملی تھی۔ اس وقت تو تقی اپنی فائل میں رکھ کر کلاس لینے چلا گیا تھا۔ اب گھر آکر رپورٹ دیکھی تو اس کا دماغ گھوم گیا۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ یہ ارسہ ہاشم کی رپورٹ ہے۔ تقی صرف ارسہ کی وجہ سے یہاں رکا ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا ارسہ یہاں اپنا یہ سال پورا کرلے۔ وہ اسے کہیں اور لے جا کر ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر ارسہ کی پڑھائی کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ کب کا یہاں سے جا چکا ہوتا۔ اس کا کنٹریکٹ بھی اس کے لیے مسئلہ نہ بنتا۔ وہ پرنسپل صاحب سے درخواست کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا حالات کو دیکھتے ہوئے وہ اسے نہیں روکیں گے مگر ارسہ...

تقی نے کمرے میں داخل ہوتی ارسہ کو دیکھا۔ اسے شدید غصہ آیا۔ حالانکہ وہ غصہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس کو نرمی سے سمجھانا چاہتا کہ وہ صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دے' جو آئندہ اس کے کام آتی مگر...

اٹھ کر اس تک پہنچا اور ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کر کے اس کے ہاتھ میں رپورٹ پکڑائی۔

"یہ ہے تمہاری رپورٹ۔ مجھے بتاؤ؟ ہم کس لیے ہیں اس عذاب میں... اگر اسی طرح پڑھنا ہے تو بہتر ہے چھوڑ دو... اپنی وجہ سے مجھے بھی خوار مت کرو' پلیز... ہر چیز کو ضائع ہونے سے بچاؤ۔" سرخ اور تنے ہوئے چہرے کے ساتھ انتہائی سخت اور کھردرے لہجے میں کہتے ہوئے اس کا بازو جھٹکا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ رپورٹ ارسہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گری۔ وہ ایک بت کی طرح ساکت کھڑی تھی لیکن آنکھوں سے نکلتے آنسو' تھوڑی سے قطروں کی صورت میں پھسلتے جا رہے تھے۔

"کیا میں ہمیشہ سے ایسی ہوں؟ ان حالات میں جب سب مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں۔ باتیں بناتے ہیں' ہر وقت کسی انجانے خوف کے حصار میں رہتی ہوں کہ ابھی پھر کچھ ہو جائے گا۔ جیسے پہلے سارے رشتے مجھ سے چھن گئے۔ آپ بھی مجھے چھوڑ دیں گے۔ ایک لمحے کا سکون نہیں ملتا مجھے۔ کیسے پڑھوں میں؟ یاد کیا ہوا' سبق بھول جاتا ہے مجھے... پھر کیا کروں میں؟ مارکس کیسے آسکتے ہیں؟ میری جگہ کوئی بھی ہو... آپ بھی ہوں تو نہیں پڑھ سکتے۔ اب وہ اونچی آواز میں روتے ہوئے شکوہ کناں تھی۔

* * *

انگلش کی کلاس ختم ہوئی تھی۔ ارسہ اور علشبہ بھی میڈم کے پیچھے ہی باہر نکل آئیں۔ اگلا پیریڈ سر تقی کا تھا۔ علشبہ نے ہال کے ستون کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے ارسہ کو غور سے دیکھا۔

"ارسہ! کیا ہوا؟ آج بہت چپ چپ ہو۔ کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

"کوئی بات نہیں ہوئی یار..." سوجے منہ کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارسہ... باتیں چھپانے لگی ہو مجھ سے؟" اس سے پہلے ارسہ کوئی جواب دیتی۔ سر بلال پاس سے گزرے۔ وہ میتھس کے پروفیسر تھے۔ دونوں نے بیک وقت سر کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہیں بیٹا آپ لوگ؟" رک کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہیں سر۔" علشبہ نے جواب دیا۔

"ارسہ آپ کے ٹیسٹ..." ارسہ کو دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے جملہ ادھورا چھوڑا۔ ارسہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ اس بات پر پہلے بھی کافی کچھ سن چکی تھی۔

"سوری سر... نیکسٹ ٹائم ایسا نہیں ہوگا۔"

"چلیں کوئی بات نہیں لیکن ایک بات یاد رکھیے گا۔ ہم آپ سے بہت سی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں۔" سر مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ تقی پاس سے گزر کر کلاس میں جارہا تھا۔ علشبہ نے سلام کیا لیکن ارسہ 'بلال صاحب کی طرف ہی متوجہ رہی' جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ ارسہ نے سر بلال کی بات سمجھ کر سر ہلایا۔

"ان شاء اللہ سر! میں آپ کی توقعات پر پورا اتروں گی۔" اس نے واقعی اب توجہ سے پڑھنے کا تہیہ کیا تھا۔ سر بلال سے بات کرکے دونوں کلاس کے دروازے تک آئیں۔

"مے آئی کم ان سر!" علشبہ نے پوچھا۔

"نو..." انتہائی قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے فرمایا گیا۔

"ہیں... کیوں؟" دونوں کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

"جب ٹیچر کلاس میں ہے' تو آپ باہر کیا کررہی تھیں؟"

"ہم سر بلال سے بات کررہے تھے۔" علشبہ نے جواباً" کہا۔

"بہرحال... آپ کو مجھ سے پہلے کلاس میں ہونا چاہیے تھا۔ اب باہر ہی رہیں۔"

"یہ کیا..." دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"سر آپ ابھی تو کلاس میں آئے ہیں۔ ہم باہر گھوم نہیں رہے تھے۔ آپ نے بھی دیکھا۔ ہم سر سے بات کررہے تھے۔" علشبہ چپ رہ سکتی تھی بھلا۔ اس کے جواب میں سر چار قدم آگے آئے اور کلاس روم کا دروازہ بند کردیا۔ یوں منہ پر دروازہ بند ہونے پر 'ایک لمحے کو دونوں کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ وہ لیٹ تھیں مگر پورا ایک منٹ بھی نہیں۔ ان سے آگے لڑکیاں ابھی سیٹوں پر بیٹھ رہی تھیں پیچھے۔

"تم نے دیکھا اس آدمی کو؟" ارسہ کی آنکھیں لبالب بھر گئی تھیں۔

"ہاں دیکھا... ڈائیلاگز پر نہیں ایکشنز پر یقین رکھتا ہے۔" علشبہ ہنستے ہوئے بولی۔ ارسہ کو حیرت ہوئی۔ اس کے ہنسنے پر۔

"ان کے ڈائیلاگز بھی اتنے ہی برے ہوتے ہیں۔" اس کے ذہن کے پردے پر کل شام کا منظر تازہ ہوا۔

"کل تو بری رپورٹ پر اتنی سنا رہے تھے۔ آج خود ہی کلاس سے نکال دیا۔"

"اچھا واقعی؟ ویسے تو بولتے ہوئے بڑے کیوٹ لگتے ہیں۔" علشبہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"ابھی جب تم سر سے بات کررہی تھیں' مجھے لگا تم ابھی رو دوگی اور اب تم ہنس رہی ہو۔" ارسہ نے الجھ کر پوچھا۔

"دیکھا... میں اچھی ایکٹریس بن سکتی ہوں نا؟" علشبہ نے آنکھیں مٹکا کر پوچھا۔

"ہاں ضرور..." ارسہ نے دانت پیسے۔ دراصل علشبہ کو بھی اتنی ہی بے عزتی محسوس ہوئی تھی۔ صاف نظر آرہا تھا۔ یہ ٹیچر اسٹوڈنٹ والا معاملہ نہیں ہے۔ وہ اس وقت ارسہ کی وجہ سے ہی باہر کھڑی تھی مگر ارسہ کے "دیکھا تم نے اس آدمی کو" کہنے پر فوراً" سنبھل گئی۔ وہ جانتی تھی ارسہ پہلے ہی پریشان ہے۔ وہ مزید اس کو بددل ہونے سے بچانے کے لیے بات کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کررہی تھی۔

"یار سب کیا سوچ رہے ہوں گے' جنھوں نے ہمیں ایسے دیکھا اور پوری کلاس ہنس رہی ہوگی ہم پر۔" ارسہ بسورنے لگی۔

"اوہ... کم آن ارسہ! یہ چیز اسٹوڈنٹ لائف کا

حصہ ہے یار۔ کل کو بھولو‘ اسے یاد کر کے۔" علشبہ ارسہ کا بازو پکڑ کر کینٹین کی طرف چلتے ہوئے بولی۔

"اور جہاں تک بات ہے کلاس کے ہنسنے کی‘ تو تم اگلے پیریڈ سے ہی نوٹ کرنا شروع کردو کہ کس کی کس بات پر اسی قسم کی انسلٹ ہوتی ہے۔ جس کی عزت ہوتی جائے۔ اس کا نام نوٹ کرلو۔ تم دیکھنا دو دن میں ہی پوری کلاس کے نام لکھے ہوں گے تمہارے پاس۔۔۔ اس بات پر کوئی روتا ہے یوں؟ پاگل ہو بالکل۔۔۔"

"میں اس بات پر کبھی ہنس نہیں سکتی۔" ارسہ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ علشبہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ارسہ۔۔۔ پلیز نا یار۔۔۔ کیوں چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی ہو؟" علشبہ بے چارگی سے گویا ہوئی۔

"علشبہ یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔۔۔ دنیا میں کسی کو میری ضرورت نہیں۔ میں ایک ناکارہ چیز ہوں۔ دوسروں پر بوجھ۔۔۔ تم سمجھ نہیں سکتیں‘ یہ کتنی تکلیف دہ بات ہوتی ہے۔" علشبہ کی طرف جھک کر بڑے پُردرد لہجے میں اسے بتایا۔

"تم خدا ہو‘ جو کسی کو تمہاری ضرورت ہوگی؟ صرف تمہیں تمہاری ضرورت ہے اور کیوں بوجھ بنی ہوئی ہو دوسروں پر۔۔۔ خود کو اتنا مضبوط کرو کہ کسی پر کوئی بوجھ نہ رہے۔ ہاں اس میں کچھ وقت ضرور لگے گا‘ اس وقت کا انتظار حوصلے اور حکمت عملی سے کرو۔ اس طرح روتے بسورتے‘ مظلوم بن کر نہیں۔ تمہیں اس سوچ سے آزاد ہونے کی ضرورت ہے کہ تم ناکارہ ہو اور کچھ کر نہیں سکتیں۔ تم انسان ہو اور انسان کچھ بھی کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ پاگل مخبوط الحواس نہ ہو۔ بس اور کچھ نہیں‘ یہی چاہیے دماغ۔۔۔ دماغ کو مثبت سوچ کا پیٹرول دو اور مثبت سوچ‘ دعا توکل اور امید سے ملے گی۔ چھوٹے بڑے‘ اچھے برے واقعات کو کوئی خود پر حاوی ہی کیوں ہونے دے۔۔۔ ہوں۔۔۔" انتہائی کڑے لہجے میں کہا گیا تھا۔ دونوں نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ عکرشہ باجی تھیں۔ ایم اے فائنل ایر کی اسٹوڈنٹ۔

"آپ۔۔۔" ارسہ کے لب ہلے۔

"ہاں جی! پاس سے گزرتے تمہارا شکوہ کانوں میں پڑا تو۔۔۔ یہ جواب شکوہ تھا۔" ارسہ نے جھینپ مٹانے کو مسکرانے کی کوشش کی۔

"ویسے میرا بچہ۔۔۔! تمہارے پاس تو یہ حسن اضافی خوبی ہے۔ خوب صورتی اور معصومیت کیا امتزاج ہے واہ۔ کون نہ مر جائے حسن و خوب صورتی کے اس پیکر پہ۔۔۔"

"آپ ارسہ پر کوئی غزل تو نہیں لکھ رہیں؟" علشبہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"یہ کام ہم تقی صاحب پر چھوڑتے ہیں۔" عکرشہ نے آنکھ ماری۔ ساتھ ہی قہقہہ لگایا ارسہ گھبرا کر پانی کے بہانے وہاں سے اٹھ گئی لیکن عکرشہ باجی کی باتوں نے اسے پریشانی اور ناامیدی کے اس حصار سے نکلنے میں مدد دی تھی جس میں وہ کل شام سے قید تھی۔

* * *

جیسے ہی بریک ہوئی‘ ارسہ اور علشبہ بھی باقی لڑکیوں کی طرح دھوپ سینکنے گراؤنڈ کی طرف جانے کے لیے کلاس سے نکلیں۔ مس ثمو سیڑھیوں سے اترتی دکھائی دیں۔ دونوں نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا تو مس ثمو نے مسکرا کر خوش دلی سے جواب دیا۔

"بچے! ایک گلاس پانی پلادیں۔"

"شیور میم۔۔۔" دونوں مستعدی سے اسٹاف کی طرف بڑھیں۔ کیونکہ ٹیچرز کے لیے پانی اسٹاف روم میں ہی رکھا جاتا تھا۔ انہیں مس ثمو بہت پسند تھیں۔ خاص طور پر ارسہ کو بڑی خوشی ہوتی تھی‘ ان کا کوئی کام کرکے۔

اسٹاف روم میں تقی بھی بیٹھا تھا۔ اور دو اور ٹیچرز بھی۔ ارسہ نے ایک نظر تقی کو دیکھا۔ وہ مگن سا بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ ارسہ نے کانچ کے نفیس سے گلاس

میں پانی بھرا اور باہر لے آئی۔ کالج کی تینوں خواتین ٹیچرز اسٹاف روم سے باہر دھوپ میں بیٹھی تھیں۔ ارسہ نے پانی کا گلاس مس ثمرہ کی طرف بڑھایا۔ جو انہوں نے ”**تھینکس**“ کہتے ہوئے پکڑ لیا۔

”ارسہ! مجھے بھی پانی لا دو۔“ مس صدف کا لہجہ ہمیشہ کی طرح کرختگی لیے ہوئے تھا۔

”یس میم۔“ ارسہ نے تھوک نگلا۔ وہ ہمیشہ پاک اسٹڈیز کی اس ٹیچر سے خائف ہوتی تھی۔ دونوں نے پھر اسٹاف روم کی طرف اپنے قدم بڑھائے۔

”**علشبہ**!“ مس صدف نے پکارا، تو دونوں نے رک کر سوالیہ نظروں سے ٹیچر کو دیکھا۔ ”ارسہ، تم پانی لے آؤ۔“ مس صدف نے دانت پیسے۔

”جی۔۔۔“ ارسہ تیزی سے اسٹاف روم کی طرف چلی گئی۔

”**علشبہ**! تم ارسہ کی اسسٹنٹ ہو یا باڈی گارڈ؟“ مس صدف نے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

”ہم فرینڈز ہیں اور اسکول سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ہمیں ساتھ رہنا اچھا لگتا ہے۔ اس میں اسسٹنٹ یا باڈی گارڈ والی کیا بات ہے۔“ اعتماد سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا **علشبہ** کا خاصہ تھا۔ چاہے سامنے کوئی بھی ہو۔

”ہاؤ سوئٹ، اتنے پرانے دوست کہیں کہیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مجھے تو یاد بھی نہیں، میرے ساتھ اسکول میں کون کون تھا۔“ مس ثمرہ ہمیشہ کی طرح چہرے پر میٹھی سی مسکان لیے بولی تھیں۔

”کیا آپ میں کبھی جھگڑا نہیں ہوا؟“ اس بار مس سدرہ نے پوچھا تھا۔

”نہیں۔۔۔ کبھی نہیں، جہاں اختلاف ہوتا ہے، وہاں وہ ”اکثر“ میری مان لیتی ہے۔ ”کبھی“ میں اس کی۔“ **علشبہ** مسکرائی۔

”بہت اچھے بھئی۔۔۔“ جواب میں دونوں ٹیچرز بھی ہنس پڑیں۔

”ٹھیک ہے، آپ جائیں۔“ مس صدف نے اسے وہاں سے ہٹایا۔ **علشبہ** چلی گئی۔ چوکیدار نے ان کے سامنے پزا اور چائے لا کر رکھی۔ ارسہ بھی پانی لے آئی تھی۔ اب پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے کھڑی تھی اور مس نے چائے کا کپ اٹھا لیا تھا۔ مس ثمرہ پزا کا پیس الگ کر کے سیدھی ہوئیں تو ارسہ کو دیکھا۔

”ارسہ پانی رکھ دیں یہاں۔“ ان کے سامنے چھوٹا سا بینچ پڑا تھا۔ ارسہ نے جھک کر گلاس بینچ پر رکھا اور جانے کے لیے مڑی۔

”ارسہ۔۔۔ تمہاری اور سر تقی کی اسٹوری بڑی ان ہے آج کل۔“ مس صدف کی آواز تھی۔ ارسہ کا دل زور سے دھڑکا۔ اب یہ کیا شروع کرنے والی تھیں۔ باقی دونوں ٹیچرز نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔ پھر مس ثمرہ ”پلیز ایکس کیوز می“ کہتے ہوئے پزا ہاتھ میں پکڑے وہاں سے اٹھ گئیں اور چائے کا کپ وہاں ہی چھوڑ دیا۔ ارسہ رک گئی تھی لیکن جواب کوئی نہیں دیا، وہ کہتی بھی کیا۔

”بتاؤ نا کیا سین ہے؟“ اسے ان الفاظ پر دھچکا سا لگا۔ یہ ایک عورت، اس سے بڑھ کر ایک استاد کے الفاظ تھے۔ وہ مس صدف کے جوتوں پر نظروں جما کر کھڑی رہی۔

”سر یہاں تو بڑے موڈ میں رہتے ہیں، گھر میں بھی ایسے ہی ہیں؟“ ساتھ چائے کی چسکی لی۔ ارسہ خاموش کھڑی جوتوں کی نوک دیکھتی رہی۔

”ویسے سر تقی ہیں بہت ہینڈسم۔“ مس سدرہ کی آواز پر ارسہ نے ایک نظر ان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گلہ ابھرا۔ آپ سے یہ امید نہیں تھی۔ ”ارسہ بھی بہت کیوٹ ہیں۔ کپل اچھا ہے۔“ میم سدرہ نے اضافہ کیا۔

”لیکن مس، ابھی ان کاموں کے لیے بہت عمر نہیں پڑی تھی اس کی۔“ مس صدف کو ناگوار گزری تھی یہ بات۔

”کہاں کے رہنے والے ہیں یہ لوگ؟ تم ملی ہو سر تقی کی فیملی سے؟“ پھر کچھ یاد آنے پر پوچھا۔ ارسہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"یا اللہ مجھے غائب کردے یہاں سے۔" **علشبہ** ہوتی تو بات سنبھال لیتی۔ اس کے تو حواس کام کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ ایسی صورت حال میں۔۔۔ لڑکیوں کو تو چپ کرا سکتی تھی لیکن ٹیچرز۔۔۔ ان کا کیا کرتی؟

"دیکھیں مس! نہ کوئی آگے ' نہ پیچھے ' تعلیم ' نہ کوئی عمر۔۔۔ کیا مستقبل ہے اب اس کا؟" بڑی جتاتی نظروں سے مس سدرہ کو دیکھا۔ ارسہ اگلے ہی لمحے پھوٹ پھوٹ کر رونے والی تھی۔ اس کا منہ سرخ ہوچکا تھا اور جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ مس صدف نے مزید کچھ کہنے سے پہلے پزا کا بڑا لقمہ لیا۔ پزا ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس سے بھی تو لطف اندوز ہونا تھا ' جبکہ مس سدرہ اس کو دیکھتے ہوئے تاسف سے سر ہلا رہی تھیں۔

"ارسہ! یہ ٹیسٹ ہیں۔ ان کی لسٹ بنا کر کلاس میں ڈسٹری بیوٹ کردیں۔" تقی تیزی سے ارسہ کے قریب آیا اور ارسہ کی طرف رول کیے ہوئے پیپرز بڑھائے۔

"اوہ سوری۔۔۔" تقی نے مس صدف اور مس سدرہ سے کہا۔ جیسے اپنے دھیان میں ہو اور اب اس بے دھیانی پر شرمندہ ہو۔ ارسہ پیپرز پکڑ کر تیزی سے کلاس روم کی طرف بڑھ گئی۔

"اٹس او کے سر! پزا لیں۔" مس صدف نے بڑی خوب صورتی سے مسکراتے ہوئے آفر کی۔

"نو تھینکس۔۔۔" تقی **تکلفا"** مسکرایا۔

"ارے سر! آپ کو ڈائٹ کی کیا ضرورت ہے؟ ہمیں جوائن کریں۔" مس صدف نے اصرار کیا۔

(اس عورت کی بے باکی ' اس کے **میسجز** ' اس کی کالز۔۔۔ توبہ ہے۔)

"نہیں شکریہ۔" اب کے **تکلفا"** مسکرانے کی بھی زحمت نہیں کی اور اسٹاف روم کی طرف بڑھ گیا۔ اب کسی دھوپ چھاؤں نے اثر نہیں کرنا تھا۔ تقی نے صرف ارسہ کو وہاں سے ہٹانے کے لیے یہ کیا تھا۔ جب ارسہ پانی لے کر نکلی تھی۔ تقی نے خفیف سا سر گھما کر اس کو باہر نکلتے دیکھا۔ یہاں سے ایک ٹیچر کی کرسی کا پچھلا حصہ نظر آرہا تھا۔ تقی کی نظروں نے باہر تک اس کا تعاقب کیا۔ باہر سردیوں کی سنہری دھوپ پھیلی تھی۔ اس نے سوچا۔ اسے بھی چل کر باہر بیٹھنا چاہیے۔ اس لیے اس نے اخبار لپیٹا اور باہر جانے کے لیے اٹھا۔ باہر نکل کر اس نے ارسہ کو ایک نظر دیکھا۔ وہ اسے بے حد پریشان لگی۔ وہ لاشعوری طور پر وہاں ہی رک کر دیکھنے لگا۔ اس تک آواز پہنچ رہی تھی لیکن آواز واضح نہیں تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بات ہو رہی ہے۔ جب ارسہ نے نفی میں سر ہلایا ' تب اس کے چہرے پر جو تکلیف تھی وہ بہت واضح محسوس ہوئی تھی اسے۔ تقی کے دماغ میں الارم سا بجا کہ اسے کسی طرح ارسہ کو وہاں سے ہٹانا ہے۔

وہ تیزی سے واپس آیا۔ دراز سے آج کا ٹیسٹ نکالا۔ اس نے ابھی دو تین پیپرز ہی چیک کیے تھے۔ ان چیک کیے ہوئے پیپرز کو اوپر رکھا اور بے حد تیزی سے ارسہ تک پہنچ کر اسے وہاں سے ہٹایا۔ اب واپس آکر بیٹھ گیا تھا۔ ٹیسٹ چیک نہیں تھے۔ وہ گھر جاکر اس سے واپس لے سکتا تھا۔ مگر یہ تھا کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا مگر اس سب میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو اسے بے حد بری لگ رہی تھی۔ وہ بریک ٹائم اوور ہونے تک گم صم بیٹھا رہا۔

اور ارسہ کلاس روم کی طرف گئی تھی۔ **علشبہ** کلاس کے دروازے پر ہی کھڑی ارسہ کا انتظار کررہی تھی۔ ارسہ ایک ہاتھ میں پیپرز دبوچے اور دوسرے ہاتھ کی مٹھی سختی سے بھینچے تقریباً" بھاگتے ہوئے کلاس میں اپنی کرسی تک آئی۔ گالوں پر آنسو ایک قطار کی صورت بہہ رہے تھے۔ **علشبہ** کو پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ کیا ہوا؟ اس نے بس کرسی کے ہتھے پر بیٹھ کر دونوں بازوؤں میں اسے بھینچ لیا۔ اس کے پاس تسلی دینے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ ارسہ کے ہاتھ میں پکڑے پیپرز بکھر گئے تھے۔ جیسے ارسہ خود بکھر گئی تھی۔

"**علشبہ**! میں مرجاؤں گی۔ میں مرجاؤں گی۔۔۔ لوگوں کی ایسی باتیں مجھے مار دیں گی۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ یہ سب برداشت کرسکوں۔" وہ روتے

ہوئے بول رہی تھی اور آواز میں اتنا درد، اتنی تکلیف تھی کہ علشبہ کے بھی آنسو نکل آئے۔

“بہت درد ہوتا ہے مجھے۔۔۔ بہت ہرٹ ہوتی ہوں میں۔ یہ پڑا کھاتے ہوئے، مزا لینے والی بات نہیں ہے۔۔۔ جب وہ پوچھتی ہیں کیا سین ہے؟ وہ سمجھ نہیں سکتیں مجھ پر کیا گزرتی ہے۔ جب وہ کہتی ہیں، یہ سب کرنے کی عمر نہیں تھی میری۔ جب وہ مجھے بتاتی ہیں میرا اب کوئی مستقبل نہیں۔۔۔ تو کوڑے لگتے ہیں مجھے، زخم بن جاتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھ سکتیں کہ ان زخموں پر مرہم رکھنے والا بھی کوئی نہیں۔ اگر اسی طرح زخم لگتے رہے، تو مر جاؤں گی میں۔۔۔” ارسہ نے سختی سے آنکھیں میچ کر کھولیں۔

“ششش۔۔۔” علشبہ نے اسے خود سے الگ کیا۔ اس کے آنسو پونچھے اور اپنے بھی۔۔۔ وہ خود اس سے زیادہ رو رہی تھی۔ مگر ایسے نہیں چل سکتا تھا۔

“تمہیں ہمت نہیں ہارنی ارسہ۔ ہمت ہارو گی تو واقعی مر جاؤ گی، کسی کو اجازت مت دو کہ وہ تم پر چڑھائی کر سکے۔ خاموش رہو گی تو اسی طرح پیچھے پڑے رہیں گے لوگ۔ خیر اب میں دیکھتی ہوں، کون تم سے کوئی ایسی ویسی بات کرتا ہے۔” پھر نیچے بیٹھ کر تیزی سے پیپرز سمیٹے اور ارسہ کو پانی لا کر پلایا۔ بریک ٹائم ختم ہونے کو تھا۔ اسے اپنی دوست کو مزید تماشا نہیں بننے دینا تھا۔

کالج سے گھر تک کا راستہ بہت مشکل سے طے کیا تھا ارسہ نے۔ عجیب سی تھکن پورے وجود میں سرایت کر رہی تھی۔ شام کو بستر پر لیٹ کر بے آواز روتے ہوئے سوچتی رہی کہ زندگی میں ہر چیز کیوں الٹ سی ہے۔ وہ ایسا کیا کر سکتی تھی کہ حالات کچھ سازگار ہو جاتے۔

“دھندلا گئی ہے، ہر چیز، منزل کیا راستوں کے نشان تک مٹ گئے ہیں۔ کہاں جاؤں۔۔۔ کس سے مدد مانگوں۔ مدد۔۔۔ اللہ سے۔۔۔” اس کے دل سے آواز آئی۔

“یا اللہ میں تھک گئی ہوں، عاجز آ گئی ہوں۔ میں اور برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ بہت زیادہ ہے، مجھے بچا لے، مجھے بچا لے، مجھ پر رحم فرما۔” اپنی سسکیاں، چیخیں دباتے اللہ کو پکارا اور بے شک اللہ کو پکارنے والے خالی ہاتھ نہیں رہتے لیکن صبح تک وہ اس سب کی وجہ سے بخار میں جل رہی تھی۔

کالج نہ جانے پر علشبہ نے تقی سے پوچھا تھا اور ارسہ کے بیمار ہونے کا سن کر پریشان ہوئی۔ دوسرے دن پھر ارسہ کے کالج نہ آنے پر اس نے تقی سے پوچھا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جا کر ارسہ کو دیکھ سکتی ہے۔ وہ گھر سے اجازت لے کر آئی تھی پھر کیا اعتراض ہونا تھا۔ گھر کے مین گیٹ پر تالا لگا تھا۔

“ارسہ کو باہر نہیں نکلنا ہوتا۔ مجبوری کی صورت میں پچھلا گیٹ اندر سے کھولا جا سکتا ہے۔” تقی نے تالا کھولتے ہوئے علشبہ کو وضاحت دی۔ جس کی ضرورت نہیں تھی۔ “میں جانتی ہوں سر۔” علشبہ نے کہا۔

صحن میں ارسہ نیم کے ٹنڈ منڈ درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر کچی زمین پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ علشبہ تیزی سے اس تک آئی۔

“ارسہ!” علشبہ نے اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے پکارا۔ ارسہ نے آہستگی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

وہ ننگے پیر بیٹھی تھی۔ کپڑوں اور ہاتھوں، پاؤں پر مٹی لگی تھی۔ ہونٹوں پر جمی پپڑی، الجھے بال، مسلے ہوئے کپڑے، خالی خالی سی ویران آنکھیں جن میں علشبہ کو دیکھ کر بھی کوئی خاص تاثر نہیں ابھرا۔ وہ اسے بالکل اس درخت کی طرح اجڑی ہوئی لگی۔ علشبہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ پہلے علشبہ اسے دیکھتی تو وہ اسے شہزادی کی طرح لگتی تھی۔ شہزادی کو فقیرنی کے روپ میں دیکھنا اس جیسی مخلص دوست کے لیے ایک تکلیف دہ عمل تھا۔ علشبہ کی آنکھوں میں گلابی ڈورے ابھرے۔ تقی اسے دیکھ کر اندر چلا گیا۔

“یہاں۔۔۔ اس طرح کیوں بیٹھی ہو ارسہ۔۔۔”

“دھوپ میں بیٹھی ہوں۔” ارسہ کی آواز میں بھی

READING
Section

نقاہت نمایاں تھی۔

"نہیں۔۔۔ اٹھو یہاں سے۔ اس طرح مت بیٹھو یہاں۔" علشبہ اسے اٹھا کر اندر لائی۔

"میں کھانا لے آؤں۔" تقی کھانے کا کہہ کر باہر نکل گیا۔

علشبہ کو اس پر بھی بہت ترس آیا۔ وہ بھی تو ابھی گھر آیا تھا۔ اب بنا آرام کیے اتنی دور کھانا لینے جاتا اور ارسہ سارا دن کی بھوکی تھی۔ پتا نہیں صبح بھی کچھ کھایا تھا یا نہیں۔ اب اس حالت میں پانی تک پوچھنے والا کوئی نہیں تھا یہاں۔ اسے بے اختیار رونا آ رہا تھا اس وقت ارسہ کو اس حالت میں دیکھ کر۔۔۔ علشبہ نے اس کے کپڑے بدلوائے۔ ہاتھ، منہ اور پیر اچھی طرح دھلوا کر کنگھی کی۔ تب اسے کچھ سکون ملا۔ تقی کھانا لے کر جلدی ہی آگیا تھا۔ علشبہ نے کھانا نکال کر زبردستی ارسہ کو کھلایا۔ وہ بار بار "میرا جی نہیں چاہ رہا، بس کرو، الٹی ہو جائے گی۔ اچھا تم خود بھی تو کچھ کھاؤ۔" کہتی جا رہی تھی۔ لیکن علشبہ نے اسے کھانا اور دوا کھلا کر ہی دم لیا۔ جبکہ تقی نے ایک نوالہ تک نہیں کھایا تھا۔ علشبہ نے کھانا نکال کر پہلے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی تھی، مگر وہ "مجھے بھوک نہیں ہے، آپ لوگ کھائیں۔" کہتے ہوئے کچن کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

* * *

تین چھٹیوں کے بعد آج ارسہ کالج آئی تھی۔ علشبہ، ارسہ کو دیکھ کر تیزی سے اٹھ کر اس تک آئی۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فکر مندی سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" ارسہ بے اختیار علشبہ کے گلے لگی۔

"تم جیسے دوست اللہ ہر کسی کو دے۔" باقی کلاس کے ساتھ سلام دعا کر کے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آمین۔۔۔" علشبہ ہنسی۔

"ویسے میں سمجھ رہی تھی، تم کل آؤ گی، کیا طبیعت کل بھی خراب تھی؟"

"نہیں۔۔۔ کل ٹھیک تھی میں۔ سر نے منع کر دیا تھا آنے سے۔" ارسہ نے بتایا۔

"انہیں سر نے منع کر دیا، کیوں؟" علشبہ کو ذرا حیرت ہوئی۔

"ہاں۔۔۔ پتا ہے کل نا، سر نے مجھے کیمسٹری کے نوٹس دیے اور کہا کالج جانے کے بجائے گھر بیٹھ کر یاد کر لوں۔ جتنا بھی یاد کر سکتی ہوں میں، یا پھر ریسٹ کروں اور اگر بور ہو رہی ہوں تو ان کا لیپ ٹاپ استعمال کر سکتی ہوں، کوئی پاس ورڈ نہیں لگا اور evo لیپ ٹاپ والے بیگ میں ہی رکھی ہے۔" ارسہ بڑے بشاش لہجے میں بتا رہی تھی۔

"پھر۔۔۔ کیا تھا لیپ ٹاپ میں؟" علشبہ پر جوش ہوئی۔

"کیا۔۔۔" ارسہ نے کندھے اچکا کر "کیا" کو کھینچا۔

"مجھے تو لیپ ٹاپ استعمال کرنا ہی نہیں آتا۔" وہ تو بس تقی کی اس آفر پر خوشی تھی۔

"کیا۔۔۔ تم نے آن ہی نہیں کیا؟" علشبہ کے جوش پر پانی پھرا۔

"یار۔۔۔ مجھے تو کمپیوٹر تک آپریٹ کرنا نہیں آتا۔ لیپ ٹاپ کا کیا کرتی، خراب ہو جاتا تو۔۔۔؟"

"تو ہو جاتا۔۔۔ ارسہ، تھوڑی ڈھیٹ ہو جاؤ یار۔۔۔ زندگی آسان ہو جائے گی، یقین کرو۔" علشبہ کو بڑی مایوسی ہوئی تھی۔

"پاگل خراب ہو جاتا تو وہ کیا سوچتے کہ میں کتنی پینڈو ہوں۔ مجھے کسی چیز کا پتا ہی نہیں۔"

"نہیں پتا تو نہیں پتا، اب انسان کو ہر چیز کا تو پتا نہیں ہو سکتا نا۔ جب تم استعمال کرو گی تو تمہیں آجائے گا، ان کو کون سا پیدا ہوتے ہی ہر چیز کا پتا تھا۔ انہوں نے بھی تو کہیں نہ کہیں سے سیکھا ہو گا یا ہم آس پاس استعمال ہوتے دیکھ کر سیکھ جاتے ہیں چیزوں کو۔ اور تم کیا اس چیز کو لے کر احساس کمتری کا شکار ہو رہی ہو۔"

علشبہ نے جیسے ڈانٹا۔

”ہاں۔۔۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں کہاں سے کچھ سیکھ سکتی تھی، کہیں آتی جاتی تو تھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ رات پی ٹی وی پر آٹھ بجے والا ڈراما دیکھا کرتی تھی۔ اب تو وہ بھی گیا۔ پھر تم ایک دوست ہو اور تم خود زیادہ عقل مند نہیں ہو۔“

”کیا۔۔۔؟“ **علشبہ** نے گھورا۔

”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ تم بہت عقل مند ہو۔“ ارسہ نے ہمیشہ کی طرح ”فوراً“ ہار مان لی۔ ”ویسے تم کبھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتیں **علشبہ**؟“ **علشبہ** ہنس پڑی۔

”ہوتی ہوں یار۔۔۔ سب ہی ہوتے ہیں، کسی نہ کسی وجہ سے۔ لیکن ہونا نہیں چاہیے۔ ہم کسی کی اچھی چیز کا مقابلہ اپنی کمتر چیز سے کرتے ہیں تو احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہی بندہ اپنی کسی کمی یا محرومی کو لے کر انہی احساسات سے دوچار ہو رہا ہوتا ہے۔ پھر کیا فرق ہوا۔۔۔ اس میں اور ہم میں؟ ہیں تو سب ہی انسان نا۔۔۔ ہم ایویں متاثر ہوتے پھرتے ہیں۔ اپنے جیسے ہی انسانوں سے۔۔۔ سوچو ذرا! جو اللہ نے نہیں دیا اور نہیں دینا۔ وہ کوئی حاصل کر سکتا ہے۔ اپنے بل پر؟ نہیں نا؟ اصل میں ہم سب ہی ایک جیسے بے بس محتاج اور عام انسان ہیں۔ پھر کیا ضرورت پڑی ہے کسی دوسرے انسان کی وجہ سے کچھ ایسا ویسا فیل کرنے کی۔“

”ہاں۔۔۔ واقعی!“ ارسہ نے دھیان سے سنا اور پھر سمجھ کر سر ہلایا۔

”اور خود کو دیکھو کس بات سے متاثر ہو رہی ہو۔“ **علشبہ** کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ اب وہ ہنس رہی تھی۔

”کوئی نہیں۔۔۔ وہ تو میں نے ایسے ہی کہا، بس۔۔۔“ اس نے **علشبہ** کے بازو پر ہلکی سی چپت لگائی۔

”اچھا۔۔۔ وہ خود کیا کرتے ہیں لیپ ٹاپ پر؟“ **علشبہ** نے پوچھا۔

”وہ۔۔۔ بہت کچھ۔۔۔ کبھی نوٹس بناتے ہیں وہاں سے دیکھ کر۔ مووی، میوزک اور خبریں وغیرہ سنتے ہیں، کبھی باتیں کرتے ہیں۔ جیسے کال پر کرتے ہیں نا لوگ ایسے۔۔۔ کبھی۔۔۔“

”کس سے باتیں کرتے ہیں؟“ **علشبہ** نے ”فوراً“ ٹوکا اور پوچھا۔

”لوگوں سے۔۔۔“

”کن لوگوں سے۔۔۔“ **علشبہ** نے سر پیٹا۔

”مجھے کیا پتا۔۔۔ میں تھوڑا ہی جانتی ہوں کسی کو۔۔۔“

”تو بات کیا کرتے ہیں؟“

”وہ پشتو میں باتیں کرتے ہیں۔ جو میرے اوپر سے گزر جاتی ہیں۔“ ارسہ نے سر پکڑ کر جواب دیا۔

”تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔“ **علشبہ** ہنس پڑی۔

”مجھے پتا ہے۔“ ارسہ بھی مسکراتے ہوئے بیگ کھولنے لگی۔

* * *

تقی پرنسپل کو فون کر رہا تھا۔ آج جمعہ تھا، وہ کل یعنی ہفتے کی چھٹی کی بات کر رہا تھا۔ ارسہ کے کان کھڑے ہوئے۔

”کل کی چھٹی۔۔۔ کیوں۔۔۔؟“ وہ کمرے سے باہر چبوترے پر ادھر ادھر چلتے ہوئے بات کر رہا تھا۔ ارسہ کوشش کے باوجود سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ چھٹی کی کیا وجہ بتا رہا ہے سر کو۔ تقی جیسے ہی اندر آیا۔ ارسہ نے بے اختیار پوچھا۔

”آپ کل کالج نہیں جا رہے؟“

”نہیں۔۔۔ کل میں اسلام آباد جاؤں گا۔ کچھ کام ہے۔ آگے پھر اتوار ہے۔ ایک رات رہ کر اتوار کی شام واپس آجاؤں گا۔“ ارسہ کو دیکھ کر بولا۔ اسے کچھ حیرت ہوئی کہ وہ پڑھ رہی تھی یا اس کی باتیں سن رہی تھی۔ ارسہ کا سانس اٹکا۔ وہ رات اکیلے کیسے رہے گی۔ پھر پوچھ ہی لیا۔

”میں رات کو اندھیرے میں کیسے رہوں گی؟“

”رات کو اندھیرے میں کیا ہوتا ہے؟ اور میں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا۔“ تقی نے سوال کیا۔ پھر خود ہی واضح بھی کر دیا کہ مجھ سے کوئی امید مت

READING
Section

رکھنا۔ ارسہ کو کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی تھی بات۔ جب پہلے دن تقی نے کلاس میں آ کر اپنا مختصر سا تعارف کرایا تھا، تب اس نے بتایا تھا کہ اس نے اسلام آباد میں تعلیم مکمل کی ہے اور اس سے پہلے وہاں ہی جاب کر رہا تھا۔ جب پرنسپل صاحب نے اسے یہاں آنے کا کہا تھا کہ یہاں تعلیم کا بہت رجحان اور تعداد بھی کافی زیادہ ہے۔ اگر وہ یہاں آ جائے تو یہ اس کے لیے اور یہاں کے اسٹوڈنٹس کے لیے اچھا رہے گا۔ اگر اس نے اسلام آباد میں ہی پڑھا تھا اور وہاں ہی جاب بھی کرتا تھا، تو امکان تھا کہ اس کا خاندان بھی وہاں ہی ہو۔ اس لیے وہ ارسہ کو وہاں نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ شاید تقی کی فیملی اسے قبول نہ کرے۔ یہ بھی ممکن تھا اس نے ابھی تک ان کو اس بارے میں کچھ بتایا ہی نہ ہو... یا جو بھی تھا مگر ارسہ فی الوقت اس بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ رات کو اکیلے نہیں رہ سکتی تھی اور چاہتی تھی تقی بھی اس بات کو سمجھے، مگر... ارسہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

تقی اب کمرے کا دروازہ مقفل کر کے چیک کرنے والے کچھ پیپرز لے کر اپنے بستر پر بیٹھ گیا۔ کیونکہ کمرے کی واحد کرسی پر ارسہ براجمان تھی اور میز پر کتابیں اور نوٹس پھیلائے پڑھ رہی تھی مگر اب مزید پڑھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کا دھیان ہٹ چکا تھا۔ وہ ہر منٹ بعد اپنی کتاب سے نظریں ہٹا کر گردن موڑ کر تقی کو پریشانی سے دیکھتی اور پھر واپس کتاب پر نظر ڈال کر اپنا ٹاپک سمجھنے کی کوشش کرتی، مگر ناکام رہتی۔ تنگ آ کر دونوں ہاتھ کتاب پر رکھ دیے، گردن سیدھی کی، آنکھیں بند کر کے لمبی سانس لی اور پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

تقی نے ایک دم اپنا پین رکھ کر اسے دیکھا۔ وہ کب سے اس کی بے چینی نوٹ کر رہا تھا۔ تقی اتنا اچانک متوجہ ہوا تھا کہ ارسہ اس پر سے اپنی نظریں بھی نہیں ہٹا سکی تھی۔

"کل صبح جلدی جاؤں گا اور شام کو جلدی واپس آ جاؤں گا۔ رات نہیں رہتا۔ ٹھیک ہے؟ ہو گیا... اب پڑھو اپنا۔" ارسہ نے گردن سیدھی کی۔ خجالت سے مسکرا کر دل میں سوچا۔

"جی ہاں... ہو گیا۔" پھر دھیان سے پڑھنے کی کوشش کی۔ اس بار کسی حد تک کامیاب بھی رہی۔

☼ ☼ ☼

کالج میں جب تقی اپنا پیریڈ لینے نہیں پہنچا تو لڑکیوں نے ارسہ سے پوچھا کہ...

"سر کیوں نہیں آئے؟"

"سر کام سے گئے ہیں۔ اس لیے نہیں آئے۔" ارسہ نے مختصر جواب دیا۔ چھٹی پر لاشعوری طور پر اس کی نگاہیں تقی کو کھوج رہی تھیں۔ اس کے کہیں نظر نہ آنے پر دل پر ویرانی سی چھا گئی۔ وہ کالج سے نکلی اور گھر کی طرف بڑھنے لگی۔ کالج کے اندر باہر بہت رش تھا۔ اتنے لوگوں میں بھی اسے اپنا آپ تنہا اور غیر محفوظ لگ رہا تھا۔ تین مہینے ہو گئے تھے تقی کے ساتھ آتے جاتے۔ آج اس کا نہ ہونا بہت محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے روڈ کراس کیا تو اسے کسی نے پیچھے سے پکارا۔

"ارسہ...!" تقی آ گیا۔ وہ فوراً مڑی مگر وہ تقی نہیں تھا اور جو تھا۔ اس کا سامنا ہونے کی بالکل امید نہیں تھی اسے۔

"احسن بھائی..." ارسہ کی آواز بڑبڑاہٹ کے مشابہہ تھی۔ احسن تیزی سے اس تک آیا۔

"ارسہ! یہ سب کیا ہے... تم ایسا کیسے کر سکتی ہو... میں اس شام پھپھو کی طرف گیا تو مجھے نور نے بتایا... لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا... تم ایسی تو نہیں ہو... شاید انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو... میں... میں تمہارے لیے فکر مند ہو رہا تھا لیکن میرا ٹرانسفر لاہور ہو گیا ہے۔ اس لیے پہلے آ نہیں سکا... خیر... ابھی آؤ میرے ساتھ گھر جا کر بات کرتے ہیں۔" تیزی سے بولتے ہوئے ارسہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی گاڑی کی طرف لے جانا چاہا۔

ارسہ نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور احسن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھوس لہجے میں بولی۔

"میں ایسی ہی ہوں... نور نے جو بتایا ہے وہ سچ ہے۔ کسی کو کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔" احسن ٹھہر سا گیا۔

"ارسہ!" صدمے سے اسے دیکھا۔

"میں نے تم سے محبت کی ہے... اپنے گھر والوں کی مخالفت کے باوجود تم سے شادی کرنا چاہی اور تم..."

"اور میں ایک بدکردار لڑکی ہوں اور آپ کو اپنے انتخاب پر افسوس ہے... ہے نا؟" اس نے احسن کی بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں..." احسن نے حقارت سے کہتے ہوئے چند لمحے اسے دیکھا اور جھٹکے سے مڑ کر چلا گیا۔ ارسہ سر جھٹک کر آگے بڑھی۔ پسینے سے بھیگی لرزتی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑا۔

ہوں... محبت... مجھ سے اتنی ہی محبت تھی میری اتنی ہی فکر تھی، تو اسی شام پتا چل جانے پر بھی مجھے پوچھنے تک نہیں آئے۔ اس شام کیا؟ اتنے عرصے تک میرا خیال نہیں آیا کہ میں کہاں ہوں گی... کس حال میں ہوں گی؟ اب تین مہینے گزر جانے کے بعد، میں اپنی صفائی میں کچھ کہوں گی، تو آپ ضرور یقین کرلیں گے میری بات کا۔ مجھے آپ سے کوئی کیریکٹر سرٹیفکیٹ نہیں چاہیے احسن بھائی، بس یہ ہو کہ آپ، نور اور بابا مجھے کبھی دوبارہ نظر نہ آئیں۔ میں آپ کی وجہ سے اپنی زندگی میں اور کوئی مصیبت نہیں چاہتی۔"

* * *

ارسہ گھر پہنچ کر تقی کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آنگن میں شام کے سائے بڑھنے لگے تھے۔ ارسہ اداس سی بیٹھی، کھڑکی سے باہر صحن کو دیکھ رہی تھی۔

"تقی آجائیں پلیز..." صرف تقی کے نہ ہونے سے ہر چیز سے اتنی ویرانی، اتنی اداسی ٹپک رہی تھی، جانے وہ اس وقت کہاں تھا۔ ارسہ نے بڑی مشکل سے اپنے خیالات سے پیچھا چھڑا کر کتاب کھولی۔ اب مغرب کے بعد اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ارسہ نے اٹھ کر سارے گھر کی لائٹیں آن کردیں اور کھڑکی بھی بند کردی۔ دروازے تو کالج سے آکر ہی بند کیے بیٹھی تھی۔ احسن بھائی سے سامنا ہونے پر عجیب ہی خوف دامن گیر ہوا تھا۔ مگر اب اندھیرے کے خوف نے بھی اس کے دل میں پنجے گاڑنے شروع کردیے تھے۔

"تقی کب آئیں گے؟" اس نے پریشانی سے سوچا۔ وہ کرسی پر بنا کوئی حرکت کیے بیٹھی تھی۔ اچانک اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر تقی آج نہ آیا تو... اور اگر وہ کبھی واپس نہ آیا تو...؟ وہ یہ بات سمجھتی تھی کہ تقی کے دل میں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے اور جس طرح کے حالات کے نتیجے میں وہ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی۔ وہ تقی کے دل میں شاید ہی کوئی مقام بنا پائی۔ وہ بھی اس صورت میں اگر تقی کی زندگی میں کوئی اور عورت نہ ہوئی۔ پھر اس کا خاندان... اف...

اس نے اضطراب سے ٹہلنا شروع کردیا۔ پھر تقی کی چارپائی کے نیچے پڑے اس کے سوٹ کیس پر نظر پڑی تو تیزی سے آگے بڑھ کر اسے گھسیٹ لیا۔

یہ ایک بڑا سوٹ کیس تھا اور تقی کے کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے ترتیب یاد رکھ کر کپڑے نکالنے شروع کیے۔ بہت ساری شرٹس ترتیب سے پڑی تھیں۔ ان میں سے کچھ ابھی پیک تھیں۔ جینز، ڈریس **پینٹس**، **اسٹائلش جیکٹس**، ہر کپڑا ہی برانڈڈ تھا۔ ایک فولڈر فائل کھڑی کرکے ایک طرف رکھی گئی تھی۔ ارسہ نے نکال کر کھولی۔ سب سے اوپر ان کا نکاح نامہ تھا۔ وہ بہت دیر اسے دیکھتی رہی۔ باقی اس کے اوریجنل ڈاکومنٹس تھے۔ اس کی ڈگریاں، سرٹیفکیٹس، اس کا اکیڈمک ریکارڈ زبردست تھا۔ ایک کمپیوٹر کے کسی کورس کا سرٹیفکیٹ تھا اور ایک **ٹیچنگ** سرٹیفکیٹ۔ یعنی وہ پہلے اسلام آباد میں بھی **ٹیچنگ** ہی کررہا تھا۔ وہ غور سے سب دیکھتی رہی۔ کانووکیشن ڈے کا ایک بڑا گروپ فوٹو تھا۔ ان میں اس نے تقی کو ڈھونڈنے کی کوشش کی اور پھر پہچاننے میں کامیاب رہی۔ اسے بہت خوشی ہوئی تھی اس پر۔ پھر

بہت دیر دیکھ کر فائل بند کردی۔ سوٹ کیس کی ایک پاکٹ میں پیسے تھے۔ اس نے نکال کر گنے۔ ساڑھے تیرہ ہزار تھے۔ پھر واپس رکھ دیے۔ ایک موبائل فون کا ڈبا، پیکڈ پرفیوم، گھڑی اور اسٹڈ کے کیزز، باہر کھٹکے کی آواز پر ارسہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کو ساری ترتیب بھول گئی۔ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ سوٹ کیس بند کرکے واپس دھکیلا۔ پھر کھڑے ہوکر خود پر قابو پاتے ہوئے آواز سننے کی کوشش کی۔ گلی میں کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ کچھ دیر ایک موٹر سائیکل کے گزرنے کی آواز آئی اور بس۔۔۔

ارسہ نے پھر سوٹ کیس کھول کر کپڑوں اور دوسری چیزوں کی ترتیب دیکھی اور پھر کچھ مطمئن ہوکر بند کردیا۔ پھر بے ارادہ ہی واش روم جاکر دیکھا۔ وہاں تقی کی ایک قمیص تھی۔ جو اس نے کل اتاری تھی۔ تقی ایک شرٹ ایک ہی دن پہنتا تھا۔ ارسہ تقی کی قمیص لے کر اپنی چارپائی پر آبیٹھی اور منہ پر رکھ کر لیٹ گئی۔

”آہ۔۔۔ تقی کی خوشبو۔“ آہستگی سے مسکرائی۔

”یہاں سب سے قیمتی ایک تقی ہیں اور ان کے ذاتی استعمال کی چیزیں۔“ پھر سوچا۔ ”میں بھی کتنی پاگل ہوں نا، اگر تقی نے واپس نہ آنا ہوتا تو اپنی ساری چیزیں اس طرح چھوڑ کر جاتے اور اگر وہ مجھے کہتے ہمیشہ کے لیے جارہا ہوں تو۔۔۔ میں انہیں روک سکتی تھی بھلا۔“ سر جھٹکا۔

اتنے میں عشاء کی اذان ہونے لگی۔ دفعتاً وہ چونکی۔ قمیص منہ سے ہٹائی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ”باہر تو رات ہوگئی ہے۔ اب رات اور اندھیرے کا خوف اس پر حاوی ہوا۔ اس کا حلق خشک ہورہا تھا۔ اس کو لگا کچن میں کوئی ہے۔ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کے جسم میں اتنی طاقت بھی نہیں رہی کہ وہ اٹھ کر کچن کا دروازہ بند کرسکے۔ یہ اس کی اپنی سوچ کی وجہ سے پیدا ہونے والے خوف کا نتیجہ تھا۔ اگلے لمحے وہ اپنی پوری طاقت صرف کرتے ہوئے اٹھی اور کچن کا دروازہ ٹھاہ کی آواز سے بند کردیا۔ خوف سے اس کے جسم پر لرزا طاری ہوگیا تھا۔ گیٹ بجنے کی آواز آئی تو ارسہ کی چیخ نکل گئی۔

ایک لمحے کے لیے اس کو لگا تھا کہ کچن کا دروازہ بجایا ہو اندر سے کسی نے، جو اس نے ابھی بند کیا تھا۔ گیٹ وقفے وقفے سے بج رہا تھا۔ کون ہوسکتا ہے۔ میں اس وقت باہر نہیں نکل سکتی۔ واپس اپنی چارپائی پر دونوں ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔

”ارسہ۔۔۔!“ بہت دیر دروازہ بجانے کے بعد تقی نے گھبرا کر اسے آواز دی تھی۔

”تقی۔۔۔“ ارسہ نے تیزی سے بھاگ کر گیٹ کھولا اور کندھے سے نیچے تقی کا کوٹ دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑلیا۔ تقی نے دیکھا، وہ کانپتے ہوئے رو رہی تھی۔

”ارسہ۔۔۔ کیا ہوگیا؟ دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھیں؟ سب ٹھیک ہے؟“ وہ بے طرح پریشان ہوا۔ جو بھی تھا یہ لڑکی تھی تو اس کی ذمہ داری۔

”تم ٹھیک ہو؟ کیا ہوا؟“ آخر تقی نے اس کا بازو پکڑ کر ہلایا اور زور دے کر پوچھا۔

”اندھیرا ہے۔“ ارسہ نے پیراگراف کے دو الفاظ ہی بولنے ہوتے تھے۔ آگے خود سمجھو۔ وہ اندھیرے سے ڈر رہی تھی۔ تقی نے سمجھ کر گہری سانس لی۔

”تو صحن کی لائٹ جلالی ہوتی اور اندھیرا کہاں ہے؟ دیکھو! اتنی روشنی تو ہے چاندنی۔“ ارسہ نے سر اٹھا کر چاند کو دیکھا اور پھر صحن میں پھیلی میٹھی چاندنی کو۔ ہاں واقعی اندھیرا کہاں ہے؟ اگر تقی جیسا چاند اس کی زندگی میں رہے تو اندھیرا ٹھہر سکتا تھا بھلا۔ اس نے سوچا۔

”اندر چلو سردی ہے۔“ تقی بولا تو ارسہ چونک کر پیچھے ہٹی۔ تقی نے سارے شاپنگ بیگز ایک ہاتھ میں منتقل کیے اور گیٹ بند کرکے آگے بڑھ گیا۔

”دن بہت چھوٹے ہیں۔ ہر کام جلدی کرنے کے باوجود بھی میں لیٹ ہوگیا۔“ اپنی چارپائی پر بیٹھ کر شاپنگ بیگ ارسہ کی طرف کھسکائے۔ ”یہ تمہاری چیزیں ہیں۔“

ارسہ تقی کی طرف رخ کرکے کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ تقی کے ہونے سے دل میں اترنے والے اطمینان کو محسوس کرتے ہوئے جھک کر دیکھنے لگی کہ اس کے

لیے کیا آیا ہے؟ اس میں سوٹ تھے۔ تین بے حد خوب صورت ڈیزائنر سوٹ، ارسہ نے اب دل میں خوشی کو سر ابھارتے محسوس کیا۔ جس کے رنگ چہرے پر بھی پھیلنے لگے تھے۔ اسے تینوں سوٹ بہت پسند آئے۔ دوسرے بیگ میں جوتے تھے۔ وہ نکال کر پہننے لگی، تو دیکھا۔ اس کے پاؤں گندے تھے اور کچھ زخمی بھی۔ وہ ننگے پاؤں گیٹ کھولنے کے لیے بھاگی تھی اور کچے صحن میں چھوٹے چھوٹے پتھر، کنکر پاؤں میں چبھے تھے۔ اب آہستہ آہستہ حواس واپس آنے پر درد محسوس ہو رہا تھا۔ جوتے بھی بہت اچھے تھے مگر سائز بڑا تھا۔ تقی اپنی گردن کا پچھلا حصہ دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ ارسہ نے تیسرے بیگ کو دیکھا تو بول پڑا۔

"اس میں کھانا ہے۔" تقی اپنے لیے کچھ نہیں لایا تھا۔ وہ تو یہاں بھی بازار سے سبزی لینے جاتا تو اپنے لیے کچھ خرید لاتا تھا اور اب اسلام آباد سے اپنے لیے کچھ نہیں لایا تھا، ناقابل یقین۔۔۔

"تم نے کھانا بنایا؟" تقی نے پوچھا تو اسے یاد آیا کہ اس نے تو کالج سے آکر کچھ کھایا ہی نہیں تھا۔ بنانا کیا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ اسے سخت بھوک اور سردی لگ رہی تھی۔ "سردی" اس کی شال کہاں تھی؟ وہ بس ایک پتلا سا سوئیٹر پہنے ہوئے تھی۔ ارسہ نے تقی کی چارپائی کے پار اپنی چارپائی کی طرف دیکھا تو اسے وہاں اپنی شال پڑی نظر آئی اور ساتھ ہی اپنے تکیے پر پڑی تقی کی شرٹ۔۔۔ "اوہ خدا۔۔۔ میں کن حالوں میں بیٹھی ہوں۔" جواب نہ ملنے پر تقی "اچھا کھانا نکالو" کہتے ہوئے اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

ارسہ کہنا چاہتی تھی کہ اسے یہ چیزیں بہت اچھی لگی ہیں اور تقی کا اس طرح اس کے لیے کچھ لانا اس کے لیے بہت اہم اور خوشی کی بات ہے مگر۔۔۔

تیزی سے اٹھ کر شال اوڑھی اور شرٹ تہ کر کے اپنے تکیے کے نیچے چھپائی۔ "حد ہوتی ہے ارسہ بدحواسی کی بھی۔۔۔ کسی چیز کو حاوی ہی تو نہیں ہونے دینا ہوتا نا خود پر۔۔۔ عکرشہ باجی مجھے آپ کی ہر بات ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ سوائے اس وقت کے جب واقعی یاد رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

* * *

"علشبہ۔۔۔!"

"ہوں۔۔۔" علشبہ نے نوٹس سے سر اٹھا کر پہلے سر کو دیکھا اور پھر ارسہ کو۔

"کیا ہے؟"

"سوری!" ارسہ شرمندہ ہوئی۔ یہ سر تقی کی کلاس تھی۔ کچھ دیر بعد ٹیسٹ ہونے والا تھا۔ علشبہ پوری طرح پڑھنے میں منہمک تھی۔ جب ارسہ نے اپنے دھیان میں اسے بلایا۔

"کوئی بات نہیں بولو۔" علشبہ نے سر کو دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

"سر تقی کی ڈریسنگ کیسی ہوتی ہے؟ مطلب تمہیں کیسی لگتی ہے؟" ارسہ کو اس وقت اپنا یہ سوال بے تکا لگا مگر پوچھ ہی لیا جو اس کے دل میں تھا۔ آواز بہت آہستہ رکھی کہ کہیں ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے۔ تقی کی کلاس میں کوئی بولنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ہی تقی خود کوئی فالتو لفظ منہ سے نکالتا تھا۔

"بہت اچھی ہوتی ہے، کیوں؟" علشبہ نے جواب دے کر پوچھا۔

"ویسے ہی پوچھ رہی تھی یار کہ واقعی اچھی ڈریسنگ ہوتی ہے یا صرف مجھے ہی لگتی ہے۔"

"نہیں۔۔۔ اچھی ہوتی ہے۔ واقعی اچھی ہوتی ہے۔" علشبہ نے ایک لمحے کے لیے الجھ کر ارسہ کو دیکھا، پھر سامنے دیکھنے لگی۔

"یار پتا نہیں کیوں۔۔۔ مجھے سر کی ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ کچھ بھی برا نہیں لگتا۔ یہاں تک کہ جو چیز یہ استعمال کے بعد پھینک دیتے ہیں، میرا جی چاہتا ہے، وہ بھی اٹھا کر محفوظ کر لوں۔ ان کا صرف آس پاس ہونا بھی سکون دیتا ہے۔" ارسہ رک رک کر بولی۔

"یعنی تمہیں سر سے محبت ہو گئی ہے۔" علشبہ چہرہ بے تاثر رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

READING
Section

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

"شاید.... لیکن ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا نا۔" ارسہ افسردہ ہوئی۔

"کیوں...." علشبہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یار مانا کہ ہم ایک دوسرے کے نکاح میں ہیں مگر پتا نہیں یہ رشتہ قائم بھی رہے گا یا نہیں۔ ہمارے درمیان بہت فاصلہ ہے۔ میں اتنے عرصے سے ان کے ساتھ ہوں مگر پھر بھی ابھی تک ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی' کچھ بھی نہیں۔" نہیں پر زور دیا۔ "پتا نہیں کل کیا ہونے والا ہے۔ پھر بھی مجھے یہ دل کے قریب کیوں محسوس ہوتے ہیں؟" ارسہ نے آنکھیں میچ کر کھولیں۔ "ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا نا۔" اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔

علشبہ پر واضح ہوا کہ ارسہ' تقی کو کھونا نہیں چاہتی۔ وہ چاہتی ہے کہ یہ رشتہ قائم رہے گا۔ اگر خدانخواستہ یہ رشتہ قائم نہ رہتا تو اس کی دوست کا صرف گھر ہی نہیں دل بھی اجڑتا اور اصل میں دل کے اجڑنے کا مطلب ہی دنیا اجڑنا ہوتا ہے۔ علشبہ نے اسے' خود کو مضبوط کرو' ایک انسان پر دنیا ختم نہیں ہوتی' ٹائپ کی کوئی نصیحت نہیں کی۔ اس کی بجائے اس نے ارسہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"سنو ارسہ! ایسا ویسا کچھ نہیں ہونے والا۔ پتا ہے کیوں؟" ذرا توقف کیا۔ "کیونکہ میں تمہارے لیے بہت دعا کرتی ہوں اور پتا ہے نا دعا میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔ تم بھی بس دعا کرو۔ دل میں برے خیالات کو جگہ مت دو۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔" علشبہ کے دلاسہ دینے کا انداز اتنا اچھا تھا' وہ اتنے پر یقین لہجے میں بولی تھی کہ ارسہ کے دل کا بوجھل پن یک دم غائب ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائیں۔ مگر تقی کے ڈر سے جلد ہی مسکراہٹ کا گلا گھونٹ کر اپنے نوٹس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

* * *

دو مہینے اور اسی طرح گزر گئے تھے۔ جب کالج کا دو دن کا ٹور پلان ہوا لیکن تقی نے دو دن کی مزید چھٹی لی اور ارسہ کو لے کر اسلام آباد آ گیا۔ ارسہ نے جب تقی سے ٹور کا پوچھا تھا تو الٹا تقی نے اس سے سوال کیا تھا۔

"کیا تم ان لوگوں کے ساتھ ٹور پر جانا چاہتی ہو' جو ہمیں کالج میں بھی اپنا وقت سکون سے نہیں گزارنے دیتے؟" اس پر ارسہ خاموش ہو گئی تھی۔

ارسہ پہلی بار تقی کے خاندان سے ملنے والی تھی' جانے سب کا ردعمل کیا ہوتا۔ وہ پریشان تھی کہ اسے کوئی آسانی سے قبول نہیں کرے گا۔ ایک طرف وہ جاننا چاہتی تھی کہ تقی کا اصل کیا ہے؟ اس کی فیملی کیسی ہے؟ وہ پہلے کہاں اور کس طرح رہا کرتا تھا؟ اس کی زندگی میں کون کون ہے؟ مگر دوسری طرف خوف زدہ بھی تھی۔ رد کیے جانے کا خوف' بے عزت کر کے تقی کی زندگی سے الگ کیے جانے کا خوف۔ وہ اس طرح بے دخل' اور بے گھر نہیں ہونا چاہتی تھی مگر آج یا کل یہ تو ہونا ہی تھا۔ ارسہ نے سارا سفر انہی سوچوں میں گم رہتے' طے کیا تھا اور اب اسلام آباد کے ایک بے حد خوب صورت دو منزلہ گھر کے سامنے کھڑی تھی۔

تقی کے ساتھ اندر داخل ہوتے اس کی ٹانگیں بری طرح کانپنے لگی تھیں۔ تقی بار بار مڑ کر اسے دیکھتا لیکن وہ بہت آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی۔ وہ بالآخر جھنجلا کر بیگ اٹھائے آگے بڑھ گیا۔ ارسہ کے سامنے تین سیڑھیاں تھیں اور آگے داخلی دروازہ جہاں تقی ابھی ابھی داخل ہوا تھا۔ دروازہ آہستہ آہستہ خود ہی بند ہو رہا تھا۔ اندر تقی کی پرجوش آواز کے ساتھ کسی عورت کی آواز سن کر ارسہ کا دل اتنے زور سے دھڑکا کہ اسے اپنے سینے میں دل کے مقام پر باقاعدہ درد محسوس ہوا۔ اسے وہ دن یاد آیا جب وہ اسی طرح اپنے باپ کے ساتھ یوں ہی کسی انجان' اجنبی گھر میں داخل ہوئی تھی تو اسے کیا سننے کو ملا تھا۔ وہ عورت اس کی پاک باز' اتنی خوب صورت اور اتنی مہربان ماں کے بارے میں جن الفاظ میں بات کر رہی تھی وہ ایسے الفاظ تھے جن کی بازگشت کی وجہ سے اس کی کتنی ہی راتیں آنکھوں

میں کئی تھیں۔ چنگھاڑتی ہوئی آواز میں ارسہ اور اس کی ماں کو گالیاں دیتے ہوئے اسے جانے کو کہہ رہی تھی۔ اسے بتا رہی تھی کہ اس کے لیے اس گھر میں ان کی زندگیوں میں کوئی جگہ نہیں۔ وہ اسے کبھی یہاں نہیں رہنے دے گی۔

زندگی میں پہلی بار ارسہ کو کسی نے دھتکارا تھا۔ اس کے وجود کی نفی کی تھی۔ وہ یہ تکلیف ساری زندگی بھول سکتی تھی، نہ ہی اس ناپسندیدگی کا وہ بھیانک انجام۔ ”اب پھر وہی ہوگا، تقی بھی میرے باپ کی طرح مجھے تنہا چھوڑ کر منظر سے غائب ہو چکا ہے۔ میں پیدا ہی ذلیل و خوار ہونے کے لیے ہوئی ہوں۔“ اس نے اپنے دانت سختی سے بھینچ رکھے تھے۔ کنپٹی کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ نظریں سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے دروازے تک گئیں۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور اندر سے ایک بہت حسین اور باوقار عورت چہرے پر مہربان مسکراہٹ لیے باہر نکلتی دکھائی دی اور پیچھے آتا تقی۔ ارسہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ اس نے آج تک اتنا خوب صورت اور پرنور چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

”سنگھا اے بچے (کیا حال ہے بچے؟) باہر ولے ولاڑا اے (باہر کیوں کھڑی ہو؟) رانہ (آؤ۔)“ ارسہ ہونق ہوئی۔ انہوں نے دھیان دیے بغیر آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے اسے گلے لگایا۔ پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ تھام کر ماتھے پر بوسا دیا۔ جیسے کوئی ماں اپنے بچے سے برسوں بعد ملی ہو۔ ”اتنی محبت۔۔۔“ ارسہ نے پیچھے کھڑے تقی کو دیکھا۔ آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔

”یہ میری آپا ہیں۔ میری بڑی بہن۔“ تقی نے تعارف کرایا۔

”دے لہ پختونہ ورزی۔“ (اسے پشتو نہیں آتی۔) اب کہ وہ ان خاتون سے مخاطب ہوا تھا وہ ایک دم ہنس پڑیں۔

”خہ۔۔۔ خہ۔۔۔“ (اچھا۔۔۔ اچھا۔)

”تم شکل سے بالکل پٹھان لگا، مجھے۔“ ارسہ کے برف ہوتے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر تقی کی طرف مڑیں۔ ”یہ تو بہت پیارا دکھتا ہے۔“ اب کہ تقی کو دیکھ کر کہا۔ تقی اثبات میں سر ہلا کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

”آجاؤ بچے۔“ انہوں نے بھی تقی کے پیچھے قدم بڑھائے۔ پیار کی حدت سے ارسہ کے اندر زندگی کی حرارت پیدا ہونے لگی تھی۔ آپا اس کے کانپنے کو تو سردی پہ محمول کر سکتی تھیں، مگر اس کی شکل سے اصل معاملہ سمجھ میں آتا تھا۔ وہ اسے اس مشکل سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

”یہ تقی کی آپا ہیں۔ انہوں نے کچھ برا بھلا تو کہا ہی نہیں۔“ ارسہ خوب صورتی سے سجے لاؤنج میں ہیٹر کے سامنے بیٹھنے تک یہی سوچ رہی تھی۔ آپا اس کے ساتھ بیٹھی تھیں اور اپنے پختون لہجے میں چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہی تھیں۔ تقی سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر انہیں سن رہا تھا۔ تقی کی اردو بہت اچھی تھی لیکن پھر بھی جب وہ بولتا تو سننے والے کو اندازہ ہو جاتا کہ وہ پٹھان ہے۔ یہ سب ارسہ کی سوچ کے برعکس بہت اچھا تھا۔ تقی کے گھر کا کوئی فرد اتنا اچھا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ واقعی ارسہ نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا تھا۔

آپا کے علاوہ دلشاد سے تعارف ہوا۔ وہ ان کی ملازمہ تھی۔ آپا نے ارسہ سے اس کے خاندان کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں، تقی نے ان کو کیا بتا رکھا تھا۔

دونوں کو بہت سا کھلانے پلانے کے بعد وہ ارسہ کو ایک بیڈ روم میں چھوڑ گئی تھیں کہ وہ یہاں آرام کرے۔ ارسہ کتنی ہی دیر تحیر کے عالم میں بیڈ پر بیٹھی رہی۔ تو یہ تقی کا وہ خاندان، جس کا خیال اگر سوتے میں آتا تو خوف و ڈر کی وجہ سے اس کی نیند اڑ جاتی۔ بیٹھے ہوئے آتا تو کھڑی ہو جاتی۔ کھڑے ہوئے آتا تو رگ و جان میں اضطراب دوڑ جاتا۔ یہ کوئی خواب تو نہیں ہے۔ یا کسی خواب کا خوب صورت حصہ اور کچھ ہی دیر میں وہ خواب کے بھیانک حصے میں داخل ہونے والی ہے۔ وہ بہت وقت انہی سوچوں میں گم رہی۔ پھر کسی نے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا، تو چونک کر حال میں واپس

آئی۔

یہ دلشاد تھی۔ جو اسے کھانے کے لیے بلانے آئی تھی۔ ارسہ کو حیرت ہوئی۔ کھانا اب تیار ہوا ہے تو کچھ دیر پہلے جو اتنا کھایا تھا' وہ کیا تھا؟ اسے بالکل بھوک نہیں تھی مگر باہر تو جانا ہی تھا۔ اس نے سوچا شاید کھانے کی میز پر کسی اور سے تعارف ہو مگر وہاں تقی اور آپا ہی تھے۔

یہاں آئے ہوئے انہیں آج چوتھا دن تھا۔ ان چار دنوں میں اس نے آپا کے ساتھ اسلام آباد دیکھا تھا اور آپا نے ڈھیروں شاپنگ بھی کرائی تھی اسے۔ وہ شکر منا رہی تھی کہ اس کی کچھ دن اپنے بدمزہ کھانوں سے جان چھوٹی۔ کبھی نمک مرچ زیادہ 'کبھی کم' کبھی ہانڈی سے عجیب کچا کچا ذائقہ آنے لگتا۔ روٹی اکثر جل جاتی' اس نے تقی کی برداشت کو سلام کیا۔

اسے یہاں دوسری صبح ناشتے کا واقعہ یاد آیا۔ قیمے کے پراٹھے بنے تھے۔ وہ اور آپا ناشتے کی میز پر بیٹھی تھیں۔ جب تقی باہر سے آتا دکھائی دیا۔ شاید واک کرکے آیا تھا۔ آپا نے اسے ساتھ ناشتا کرنے کو کہا تو۔

"میں فریش ہوکر آتا ہوں۔" کہہ کر اوپر چلا گیا۔ دلشاد نے تقی کے لیے جو پراٹھا لاکر رکھا' وہ ایک طرف سے ذرا سا جلا ہوا تھا۔ آپا نے فوراً "اس کی جگہ دوسرا لانے کا کہا۔ پھر ارسہ کو بتانے لگی کہ تقی کھانے میں بہت نقص نکالتا ہے۔ اس کو بہت کم چیزیں پسند آتی ہیں۔ جلا ہوا پراٹھا دیکھ کر تو وہ ناشتا کیے بنا ہی اٹھ جاتا ہے۔ ارسہ کو اس بات پر اتنی حیرت ہوئی کہ ہاتھ میں پکڑا نوالہ منہ میں رکھنا ہی بھول گئی۔ تقی تو سب کچھ کھالیتا تھا۔ پھر یہ کس تقی کی بات کررہی تھیں۔

آپا نے اسے خاندانی تصویروں والا البم دکھاتے ہوئے سب کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔ یہ چار بہن بھائی تھے' سب سے بڑی آپا' پھر ولی بھائی' پھر زرمینے اور آخر میں تقی۔ تقی بہت چھوٹا تھا۔ جب ان کے والدین کی وفات ہوگئی تھی۔ آپا نے ہی تقی کو پالا تھا۔ وہ انہیں اکثر "مورے" کہہ کر بلاتا تھا۔

تقی کی چھوٹی بہن زرمینے ان لوگوں سے اگلی صبح ملنے آئی تھیں۔ ان کے انداز میں بڑی آپا جیسی گرم جوشی تو نہیں مگر سرد مہری بھی نہیں تھی۔ بس سادہ سا انداز تھا۔ جیسے پہلی بار کسی سے ملنے پر اکثر لوگوں کا ہوتا ہے۔ وہ بھی شادی شدہ اور بچوں والی تھیں۔ ان کا ایک بڑا خاندان تھا۔ وہ بس تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی تھیں۔ پھر ابھی تک نہیں آئی تھیں۔ ولی بھائی آسٹریلیا میں اپنی فیملی کے ساتھ مقیم تھے اور آپا کے دونوں بیٹے بھی وہاں ہی ماموں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی تعلیم مکمل کررہے تھے۔ آپا کے شوہر کا انتقال ہوئے دو سال ہوگئے تھے۔ ان کا آبائی گھر سوات لوئر دیر میں تھا۔ جب ہی اس روز تقی نے کہا تھا۔ "ہم پہاڑی لوگ ہیں۔" وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد یہاں شفٹ ہوئی تھیں۔ اس لیے ان کی اردو اتنی اچھی نہیں تھی۔ ارسہ کو ان کی باتیں سن کر بڑا مزہ آتا تھا اور کبھی ہنسی بھی۔۔۔ ارسہ کا سارا دن ان کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ وہ ان سے ہر بات کرلیتی تھی۔ بالکل ایسے جیسے اپنی ماں سے کرلیا کرتی تھی۔ اس وقت ارسہ لان میں بیٹھی یہاں گزرنے والے وقت کو سوچ رہی تھی اور تقی ٹیرس پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

ارسہ نے سفید سوٹ اور جینز کا اسٹائلش سا جیکٹ پہن رکھا تھا۔ بالوں میں جوڑا' جواب تقریباً" کھل چکا تھا۔ دوپٹا بس بائیں بازو پر ذرا سا ٹکا تھا اور باقی نیچے گھاس پر پڑا تھا۔ گود میں میگزین رکھے' کرسی کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے بہت پرسکون اور مطمئن سی بیٹھی تھی۔ سامنے میز پر جوس کا گلاس رکھا تھا۔ سفید کپڑوں پر پڑتی دھوپ کی وجہ سے اس کے اردگرد نور کا ہالہ سا بن رہا تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے کسی ملکہ کی طرح شان سے بیٹھی سردیوں کی دھوپ سے لطف اندوز ہورہی تھی۔

تقی اسے دیکھنے میں اتنا محو ہوا کہ ٹائم کا ہوش ہی نہیں رہا۔ وہ بالکل بھول چکا تھا کہ اسے اپنے دوست سے ملنے جانا ہے۔ وہ ٹیرس سے اتر کر لان میں آیا اور ارسہ کو دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس تک

پہنچا۔ جس کے گال دھوپ میں دہک رہے تھے۔ اس وقت تقی کو لگا کہ اس نے آج تک ارسہ سے زیادہ شان دار لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اس کے مقابل کرسی پر بیٹھ گیا اور سوچا آج اسے بات کر ہی لینی چاہیے۔ ارسہ نے کسی کی موجودگی محسوس کر کے آنکھیں کھولیں اور تقی کو دیکھ کر بوکھلا کر سیدھی ہوئی اور اپنا دوپٹا سنبھالا۔ تقی اس کے تاثرات دیکھ کر جھلا گیا۔

"یعنی کہ حد ہے۔ ابھی اتنے سکون سے بیٹھی تھی۔ میں کوئی دیو ہوں جو مجھے دیکھ کر اس کے چہرے کا سارا اطمینان اڑن چھو ہو جاتا ہے۔" تقی کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"آپا کہاں ہیں؟" غصے میں یہی منہ میں آیا تو ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"آ... اندر... اندر ہوں گی۔" ارسہ نے اس کے غصے سے گھبرا کر اٹکتے ہوئے جواب دیا۔ تقی جھٹکے سے اٹھ کر چلا گیا۔

"نہیں کیا ہوا؟" پھر گھبراہٹ میں سامنے پڑا جوس کا گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں سارا خالی کر دیا۔

"ویسے یہ ہوتے کہاں ہیں؟ نظر ہی نہیں آتے۔" پھر کندھے اچکا کر گلاس اٹھا کر کچن کی طرف چل پڑی۔ اسے تقی ہیلمٹ اٹھا کر باہر نکلتا دکھائی دیا۔

* * *

رات کو ارسہ اپنے بیڈ روم میں تقی کا لایا ہوا سوٹ دیکھ رہی تھی۔ جو تین سوٹ تقی لایا تھا۔ ان میں یہ سب سے بہترین تھا۔ علشبہ کو بھی یہی سب سے زیادہ پسند آیا تھا۔ سلائی بھی وہی کرا کے لائی تھی۔ ارسہ نے ابھی تک پہنا نہیں تھا۔ اس نے شیشے میں دیکھتے ہوئے سوٹ خود سے لگا کر دیکھا۔

"اس کی فٹنگ کچھ زیادہ ہی نہیں؟ پہن کر چیک کرتی ہوں۔" وہ دن میں تقی سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ وہ واپس کل جائیں گے یا پرسوں؟ مگر تقی کا غصہ... وہ ڈھنگ سے کوئی بات ہی نہیں کر پاتی تھی۔ "میرے خیال میں کل ہی واپس جانا ہو گا۔ چلو پھر ابھی نہا کر پہنتی ہوں۔ دیکھتی ہوں کیسا لگتا ہے۔ یہاں میں خود ہی تو ہوں۔" خود سے باتیں کرتی مسکرائی۔ ٹائم دیکھا۔ ساڑھے دس... ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے کاسمیٹکس کے سامان کو دیکھ کر مسکرائی۔ آج اس کا سونے کا ارادہ نہیں تھا۔

فیصلہ کر کے نہانے چل دی۔ نہا کر بال خشک کیے۔

"اف گرم پانی سے نہا کر بھی سردی لگ رہی ہے۔" پھر اپنے کارنامے پر مسکراتی باہر آئی لیکن سامنے دیکھتے ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ تقی بیڈ پر... آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔ "یہ کہاں سے آ گئے؟" اس نے انگلی کا ناخن دانتوں میں دبایا۔ اس کے دوپٹے کا کچھ حصہ تقی کے کندھے اور کمر کے نیچے دبا تھا۔ اپنی جگہ کھڑی سوچتی رہی کہ اب کیا کروں؟

"یہ یہاں سو رہے ہیں تو پھر میں کہاں سوؤں گی؟" آہستہ آہستہ چلتی بیڈ کے قریب آئی۔ پریشانی میں یہ بھی نہیں دیکھ پائی کہ اس سوٹ میں کیسی لگ رہی ہے۔ فی الحال اسے بس تقی کے نیچے دبا اپنا دوپٹا چاہیے تھا۔ تقی کو غور سے دیکھا' وہ سو ہی رہا تھا۔ پھر جھک کر اپنا دوپٹا کھینچا۔ اسی اثنا میں لائٹ چلی گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ جا کر یو پی ایس سے لگے انرجی سیور آن کرتی' تقی نے اس کا بازو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر کھینچ لیا۔ ارسہ کے منہ سے دبی دبی چیخ ہی نکل سکی۔

* * *

وہ آپا کے کہنے پر ایک دن مزید ٹھہر کر اگلے دن واپس آ گئے تھے۔ ڈیڑھ ماہ سے پھر وہی روٹین تھی۔ تقی پہلے سے کچھ زیادہ ہی خفا معلوم ہوتا تھا۔ اب اس کی وجہ ارسہ کی سمجھ میں آ گئی تھی مگر جھجک اور خفت و ندامت کی وجہ سے اپنے رویے کی وضاحت نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ صبح ناشتا بنا رہی تھی اور تقی باہر صحن میں اپنی روٹین کی مشکل ورزشیں کرنے میں مصروف تھا۔ اچانک ارسہ کو چکر سا آیا تھا۔ اس نے کاؤنٹر تھام کر خود کو سنبھالا۔

پھر ناشتا کرنے کو بھی اس کا بالکل جی نہیں چاہ رہا

تھا۔ وہ بس بے دلی سے ناشتا ٹھونستی رہی۔ تقی روز کی طرح بے حد سنجیدگی سے کھا کر اٹھ گیا۔ کالج میں پہلی ہی کلاس میں ارسہ کو متلی محسوس ہوئی۔ وہ علشبہ کے ساتھ کلاس سے باہر آئی۔ صبح جو تھوڑا بہت ناشتا کیا تھا اب وہ بھی نکل گیا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں سر کو بتاتی ہوں۔ وہ تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں۔" علشبہ نے فکرمندی سے اس کا زرد پڑتا چہرہ دیکھ کر کہا۔

"نہیں... میں ٹھیک ہوں اب۔ یہ صبح سے بلکہ کل سے طبیعت کچھ عجیب سی ہو رہی تھی۔" ارسہ نے علشبہ کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے جانے سے روکا۔

"کل سے... اور تم نے ابھی تک ڈاکٹر کو نہیں دکھایا۔" علشبہ نے گھورا۔

"کچھ نہیں ہوا، چلو کلاس میں..." چھٹی سے پہلے ارسہ کو پھر ایک بار باہر آنا پڑا تھا۔ اب اسے بری طرح چکر آ رہے تھے۔ تقی کو کچھ پتا نہیں تھا۔ اس نے حسب معمول ارسہ کو آتے دیکھ کر چلنا شروع کر دیا۔ علشبہ نے آگے بڑھ کر تقی کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ ارسہ بھی ان لوگوں تک پہنچ چکی تھی۔

"کیا ہوا ارسہ...؟" تقی نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ واقعی بیمار اور نڈھال سی لگی۔

"کچھ نہیں... متلی ہو رہی ہے بار بار..." ارسہ کے لیے اب بولنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

"سر آپ اسے اسپتال لے جائیں، یہ کل سے بیمار ہے۔" علشبہ کے کہنے پر تقی نے ایک بار پھر ارسہ کو دیکھا۔

"کل سے بیمار ہے۔" اسے تو پتا ہی نہیں چلا۔ پھر ذرا چونک کر بولا۔ "ہاں چلو۔"

"میں بھی ساتھ چلوں؟" علشبہ نے پوچھا۔

"نہیں علشبہ، تم گھر جاؤ یار... تمہاری امی پریشان ہوں گی۔" ارسہ نے اسے روکا۔

"ٹھیک ہے، تم اپنا خیال رکھنا۔"

تقی کالج سے نکل کر قریبی ہسپتال کی طرف چل پڑا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا ہی نہیں، وہ آ بھی رہی یا نہیں۔ ارسہ کن دقتوں سے بیگ سنبھالتے ہسپتال تک پہنچی تھی۔ تقی کو اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ارسہ کی نظروں میں زمین آسمان گھوم رہے تھے۔ قدم کہیں رکھتی اور پڑ کہیں اور رہا تھا۔ بیٹھنے کو بینچ ملا تو اس نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

☼ ☼ ☼

ارسہ اپنی باری پر چیک کرانے اندر گئی۔ تقی باہر ہی بیٹھ کر انتظار کر رہا تھا۔ لیڈی ڈاکٹر نے اچھی طرح چیک کیا اور پھر معاملہ سمجھ کر اس سے پوچھا۔

"تم ارسہ ہو نا؟ عاصمہ کی بیٹی؟"

"جی..." وہ بھی ڈاکٹر نوشین کو جانتی تھی۔ اپنی امی کے ساتھ پہلے بھی ان کے پاس آتی رہتی تھی۔

"تمہاری امی کا تو انتقال ہو گیا ہے نا؟"

"جی..." ارسہ نے ہولے سے سر ہلایا۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟" ڈاکٹر نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔ "سر کے ساتھ..."

"کون سر...؟" ڈاکٹر نے یونیفارم میں ملبوس لڑکی کو کچھ الجھ کر دیکھا۔ ارسہ فوراً "سر تقی" کہنے والی تھی، مگر یہ سوچ کر خاموش رہی کہ ان کو کیا پتا سر تقی کون ہیں۔ یہ تو سر کو نہیں جانتی نا۔

"بولو..." ارسہ اب بھی کوئی جواب نہیں دے پائی۔ "نام کیا ہے سر کا؟"

"سر تقی..."

"رضیہ باہر سے تقی نام کے بندے کو بلائیں۔" رضیہ نامی نرس ابھی ابھی اندر داخل ہوئی تھی۔ "جی اچھا..." کہتے ہوئے دروازے سے ہی واپس ہو لی۔

تقی اندر آیا تو ڈاکٹر نے اسے بیٹھنے کا کہا اور پھر چبھتے لہجے میں پوچھا۔

"یہ آپ کی اسٹوڈنٹ ہیں۔"

"جی یہ میری وائف ہیں۔ اتفاق سے اسٹوڈنٹ بھی..." تقی، ارسہ سے کہیں زیادہ سمجھ دار اور معاملہ فہم تھا۔ "ارسہ کی بچی..." تقی نے اسے گھورا۔

"ہوں… ہزبینڈ' وائف ایسے ہوتے ہیں۔" ارسہ نے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے سوچا لیکن اس کا وائف کہنا اسے کہیں بہت اچھا بھی لگا تھا۔

"اوہ… اچھا… کتنا عرصہ ہوا ہے آپ کی شادی کو ارسہ؟" اب کی بار ذرا مسکرا کر پوچھا گیا۔ "چھ ماہ…" جواب تقی کی طرف سے آیا۔

"مبارک ہو… آپ کی وائف امید سے ہیں۔" ڈاکٹر کی بات پر تقی کی مسلسل ہلتی ٹانگ ساکت ہوئی۔ ارسہ نے بھی اپنے ہاتھوں سے نظریں ہٹا کر ڈاکٹر کو دیکھا۔ پھر واپس غائب دماغی سے گود میں رکھے ہاتھوں کو گھورنے لگی۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔ عاصمہ نے اپنی بیٹی کو پہلے ہی اپنے گھر کا کر دیا۔ میں سوچ رہی تھی کہ ماں کے بعد یہ اب کہاں رہ رہی ہوگی۔ اس کے تو فادر بھی نہیں ہیں۔ جہاں تک میرے علم میں ہے قریبی رشتہ دار وغیرہ بھی کوئی نہیں۔" ڈاکٹر صاحبہ کو صحیح وقت یاد نہیں تھا۔ ارسہ کی امی کو وفات ہوئے دس ماہ سے اوپر کا عرصہ بیت چکا تھا۔ ارسہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تقی کو ہی "جی" کہنا پڑا۔ جبکہ ارسہ سوچ رہی تھی۔

"تقی کی چپ کو توڑنے کے لیے اتنی ہی بڑی بات کا ہونا ضروری تھا۔ ورنہ ہماری زندگیاں جمود کا شکار ہو رہی تھیں۔ روز ایک سا دن… لیکن تقی کا ردعمل کیا ہوگا۔ کوئی مثبت تبدیلی آئے گی یا یہ اسے ایک اور مصیبت کی طرح لے گا؟! اگر…" تقی نے جھک کر اس کا بیگ اٹھایا۔

"چلو…" تو ارسہ چونک کر اٹھی اور تقی کے پیچھے باہر نکل آئی۔ اس نے تقی اور ڈاکٹر کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔ وہ اسی غائب دماغی سے روڈ کراس کرنے جا رہی تھی۔ تقی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا اور اس کے کان کے قریب جھکا۔

"ارسہ! یہ اتنی بڑی گاڑی ہے۔ اس کے ٹائر دیکھو۔ اوپر سے گزرتے بھی دس منٹ لگائے گی۔" ارسہ منہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تقی نے تھوک نگلا" اس کا ہاتھ ٹھنڈا اور نم تھا اسے لگا یہ ابھی کھڑے کھڑے گر جائے گی۔

"نہیں کچھ نہیں… تمہاری مہربانی ہے اسی طرح چلتی رہنا۔ بس گھر آنے والا ہے۔" تقی کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا۔

* * *

گھر پہنچ کر ارسہ نے جوتے اتارے اور دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ اس کی ہمت بالکل جواب دے گئی تھی۔ تقی اس کے لیے پانی لے آیا۔ پھر ایک پلیٹ میں کچھ کھجوریں دھو کر اس کے سامنے لا کر رکھیں۔ ارسہ نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا تو تقی "رکو" کہتے ہوئے تیزی سے مڑا اور ایک ڈونگے میں پانی بھر لایا۔

"اس میں ہاتھ دھو لو۔" ارسہ کسی معصوم بچے کی طرح اسے دیکھتے ہوئے اس کی ہدایات پر عمل کر رہی تھی۔

تقی کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا تو وہ کھجوریں کھانے لگی لیکن یہ کیا۔ اس میں تو گٹھلی کی جگہ بادام ہے۔ "یہ اس میں کیسے آیا؟" اس نے سوچا۔ پھر ایک ایک کر کے ساری کھجوریں کھول کر دیکھیں۔ سب میں ہی بادام تھا۔ اس کے لیے یہ نئی بات تھی۔ پہلے بادام اور کھجوریں الگ کر کے رکھیں۔ پھر مزے سے سب کھا گئی۔ اسے یہ ذائقے بہت بھلے لگے اور اپنی توانائی بحال ہوتی محسوس ہوئی۔

ارسہ برتن اٹھا کر کچن میں آئی تو تقی کچن میں تھا۔ بلیو جینز اور گرے آدھی آستینوں والی ٹی شرٹ میں اس کے بازوؤں کے مسلز نمایاں ہو رہے تھے۔ ارسہ نے دیکھا' وہ روٹی بنا رہا تھا۔ سوا چار ہو گئے تھے۔ صبح ناشتے کے بعد اب تک اس نے دو کپ چائے ہی پی ہوگی۔ اب اسے بھوک لگی تو خود ہی روٹی بنانے لگا۔ ارسہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"میں روٹی بناتی ہوں۔" تقی جھینپ گیا۔

"نہیں… تم بیمار ہو' جا کر چینج کرو' میں بنا لیتا ہوں۔"

"میں ٹھیک ہو گئی ہوں۔" ارسہ کسی صورت

نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے ہوتے ہوئے خود روٹی بنائے۔ اسے پتا تھا اسے روٹی پکانی نہیں آتی۔

”نہیں۔۔۔ میں بنالوں گا تم جاؤ۔“ وہ بس اسے وہاں سے بھیجنا چاہتا تھا۔ ارسہ، تقی کے ساتھ بحث نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے مجبوراً وہاں سے نکل آئی۔ پھر کپڑے بدل کر ہاتھ منہ دھو کر بیٹھی تو تقی روٹی بنا چکا تھا۔ تقی نے ارسہ کی طرح پہلے میز دونوں چارپائیوں کے درمیان لاکر رکھی۔ پھر سالن اور پانی پھر روٹی لینے چلا گیا لیکن روٹی میز پر رکھنے کے بجائے کھڑا رہا۔ ارسہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔

”روٹی جیسی بھی ہوئی۔ تم ہنسوگی نہیں۔“ ارسہ مسکرائی، نفی میں سر ہلا کر بولی۔

”نہیں ہنسوں گی۔ آپ بھی تو نہیں ہنستے تھے میرے میس (نقشوں) پہ۔۔۔“

تقی زور سے ہنس پڑا۔ ”تمہاری بات اور ہے۔“ ارسہ نے پہلی بار اسے ہنستے دیکھا تھا۔ وہ آنکھیں سکیڑے مبہوت سی اسے دیکھے گئی۔ اس نے روٹی رکھی تو ارسہ نے دیکھا۔ تقی نے بھی اس کی طرح ہی سب سے بہتر بنی روٹی سب سے اوپر رکھی تھی۔ روٹیاں گول کے قریب بھی نہیں تھیں اور کچھ زیادہ ہی جل گئی تھیں۔

”روٹی بنانا مشکل کام ہے۔ دوسری بنانے تک پہلی جل جاتی ہے۔“ وہ منہ بنا کر کہہ رہا تھا۔

ارسہ نے ہنسی روکنے کے لیے پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا۔ تقی کو پتا تھا اسے سخت ہنسی آرہی ہے مگر اس نے ”ہنس لو“ نہیں کہا۔ رکے نا، میں نے تو بھی تو اتنا عرصہ ہنسی ضبط کرتے گزارا ہے۔ اب تقی سے خود روٹی نہیں کھائی جارہی تھی۔ پھر جلد ہی ہاتھ روک کر بولا۔

”اب چائے تم ہی بنالینا۔ میں مارکیٹ جاتا ہوں۔ گوشت اور پھل لانے ہیں۔“ یہ ڈاکٹر کی ہدایت تھی۔

”ٹھیک ہے۔“ ارسہ ہاتھ کے اشارے سے اسے برتن اٹھانے سے روک کر خود اٹھی اور برتن کچن میں لے جانے لگی۔

* * *

تقی کمرے سے باہر چبوترے پر بیٹھا تھا۔ نہ مارکیٹ گیا تھا، نہ گراؤنڈ میں کھیلنے۔ کسی نقطے پر نظریں جمائے، گہری سوچ میں گم تھا۔ شاید کسی الجھن کو سلجھانے میں مصروف تھا۔ ارسہ نے چند لمحے دیکھنے کے بعد پکارا۔

”سر! چائے۔“

”ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔“ وہ چونکا۔

ایک ہاتھ سے چائے کا کپ اور دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑ کر احتیاط سے اپنے ساتھ بٹھایا۔ ارسہ اس کے ہاتھ کے لمس کو محسوس کرتے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے تو وہ کبھی محسوس ہی نہیں کرپائی۔ جب بھی وہ قریب آتا اسے جان کے لالے پڑے ہوتے تھے۔ وہ بہت خاموش تھا۔ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ ارسہ نے اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے آہستہ سے گردن موڑ کر اس کو دیکھا۔ وہ سامنے دیکھتے ہوئے بہت افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔

ارسہ ایک دم خوف کا شکار ہوئی۔ وہ جانے کیا کہنے یا کرنے والا تھا۔ کچھ دیر پہلے تک ارسہ نے اس کے چہرے پر خوشی کی چمک واضح طور پر دیکھی تھی۔ وہ یقیناً خوش تھا۔ یہ اس کی مسکراہٹ بتاتی تھی۔ اتنے مہینوں میں پہلی بار اس کا رویہ بہت دوستانہ تھا۔ جس کی وجہ سے ارسہ نے پریشانی کے بوجھ میں کمی محسوس کی تھی۔ اجنبیت کا گراف گرا تھا۔ پھر اب ایسا کیا ہوگیا تھا؟ ارسہ کی سوچوں کو بریک لگے۔ جب تقی نے ہلکی آواز میں بولنا شروع کیا۔

”ارسہ!“ تھوڑے توقف کے بعد پھر بولا۔ جیسے بولنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو، یا سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

”میں جانتا ہوں۔۔۔ تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو اور شاید کبھی رہ بھی نہ سکو۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری زندگی میں جتنی مشکلات ہیں۔ ان سب کی بنیادی وجہ

میں ہوں۔ میرے لیے اس طرح بات کرنا بہت مشکل ہے مگر میں اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میں ایک خود غرض انسان ہوں۔ میری خود غرضی نے ہی تم سے تمہارا سب کچھ چھین لیا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو تم آج اس حال میں نہ ہوتیں۔ اگر وہاں سے بات شروع کروں جب میں یہاں آیا اور کیسے آیا تو… اس سے پہلے میں اسلام آباد کے ایک چھوٹے سے پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتا تھا۔ یہ ڈگری مکمل کرنے کے بعد میری پہلی جاب تھی۔ میں اپنے بھائی کی مدد نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس لیے جو کام ملا وہ کیا۔ پھر یہاں اپوائنٹ ہوا۔ پہلی بار کالج میں، پہلی جو کلاس لی تھی وہ تمہاری کلاس تھی۔ اتنی بڑی کلاس میں 'اتنی زیادہ لڑکیوں کے درمیان' جس نے مجھے متوجہ کیا' وہ تم تھیں' ان شارٹ اپنی پوری زندگی میں کسی سے اس حد تک متاثر نہیں ہوا۔ یہ صرف تمہاری خوب صورتی' تمہاری معصومیت نہیں تھی۔ کالج کے تمام ریکارڈ بریک کرتا ہوا' تمہارا فرسٹ ایئر کا رزلٹ' تمہارے سب ٹیسٹ' کلاس میں تمہارا سوبر اور منفرد انداز یہاں تک کہ ٹیچرز میٹنگ میں بھی کئی مرتبہ تمہارا ذکر ہوتا تھا اور پرنسپل اتنے احترام اور فخر سے تمہارا نام لیتے کہ میں سوچتا تھا کہ کوئی اتنا پرفیکٹ کیسے ہو سکتا ہے۔" اس نے ایک لمبی سانس لی۔ ارسہ کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔ وہ ذہین اور محنتی تھی۔ اس لیے اس کا رزلٹ اچھا آیا تھا۔ بس اتنی سی بات تھی۔ اس نے کبھی خود کو اتنا خاص خیال نہیں کیا تھا' جتنا وہ بتا رہا تھا۔ یہ انکشاف اسے حیران کر رہا تھا کہ وہ اتنی خاص تھی کہ اس کھڑی ناک والے مغرور سے بندے کو متاثر کر گئی تھی۔

"ارسہ! یونی ورسٹی اور یہاں کالج میں بھی کتنی ہی لڑکیوں نے مجھے متوجہ کرنے اور میرے قریب آنے کی کوشش کی تھی مگر میں ایسی کوشش تمہارے لیے کرنا چاہتا تھا اور شاید کرتا بھی… اگر مجھے یہ پتا نہ چل جاتا کہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے اور تم اپنے منگیتر کو پسند بھی کرتی ہو۔" ارسہ نے ایک جھٹکے سے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا۔

"منگنی والی بات ان تک کیسے پہنچی؟"

"یہ سن کر بہت برا محسوس ہوا تھا۔ جیسے دل خالی خالی سا ہو گیا ہو۔ کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا' تب ان دنوں پرنسپل صاحب نے تمہیں اکیڈمی بھی بلالیا تھا کہ تمہیں ایکسٹرا پڑھایا جائے۔ بے بسی کی انتہا پر تھا میں۔ چاہتا تھا تم نظر ہی نہ آؤ اور کبھی سوچتا' چلو اتنا بھی غنیمت ہے' تمہیں دیکھ تو لیتا ہوں۔ کبھی سوچتا تھا تمہیں اگنور کروں۔ کیونکہ تم میری تو کبھی نہیں ہو سکتیں۔ جانتا تھا تمہاری اور میری دنیا بالکل الگ ہے اور اس سے بھی بڑھ کر تمہارے دل میں کوئی اور بستا ہے۔ آہ… میں بتا نہیں سکتا' کس طرح کی متضاد سوچیں مجھے بے چین رکھتی تھیں۔ اب صورت حال اس سے زیادہ خراب ہو چکی ہے۔ اور میں نے خود کی ہے۔" ارسہ کو لگا وہ رو رہا ہے۔ تقی خاموش ہو گیا تھا مگر ارسہ ساکت بیٹھی رہی' وہ جانتی تھی' ابھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی۔ تقی نے گہری سانس لے کر خود پر قابو پاتے ہوئے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"ارسہ! اس روز اکیڈمی میں جب وہ سب ہوا… میری غلطی تھی۔ مجھے اندر آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں اکیلا بیٹھے دیکھ کر سوچا بھی تھا کہ اندر نہ جاؤں۔ تم تو چھوٹی اور معصوم ہو۔ تم ان باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتی تھیں۔ مجھے تو سمجھنا چاہیے تھا نا لیکن تمہارا ٹائم ویسٹ نہ ہو اس خیال سے تمہیں وہ نوٹس دینے آگیا۔ میرا ارادہ نوٹس دے کر فوراً وہاں سے نکل جانے کا تھا مگر تمہارے سوال پر رکنا پڑا اور اس طرح اتنا ٹائم گزر گیا۔" ذرا توقف کے بعد بولا۔ "تمہارے فادر کا مجھے تھپڑ مارنا' اس قسم کے الزام گالیاں…" آنکھیں بھینچتے ہوئے سر جھٹکا۔ "وہ بھی تمہارے سامنے… بہت زیادہ تھا یہ… آپ جس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے سامنے اس طرح کی کوئی چھوٹی سی بات بھی نہیں ہونی چاہیے یہ بہت انسلٹنگ تھا۔

پھر تمہارا میری زندگی میں شامل ہو جانا اور میرے پاس بھی تمہیں دینے کو ایسا کچھ نہیں تھا۔ جو تمہارے

READING
Section

شایانِ شان ہوتا۔ جو اس پریشانی کے بعد تمہاری زندگی میں کوئی آسانی لے کر آتا۔ یہ گھر جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا نہ کوئی سامان‘ ضرورت کی کئی چیزیں بھی نہیں تھیں۔۔۔ سہولتیں کیا ہوتیں۔۔۔ کالج میں بھی ہم لوگوں کے لیے موضوع بن کر رہ گئے تھے۔ اس ساری صورت حال نے میرے دماغ کو مفلوج کرکے رکھ دیا تھا۔ اچانک ہر چیز کنٹرول سے باہر نکلنے لگی تھی۔“

ارسہ کو سخت افسوس ہوا‘ اس کی سوچ جان کر۔۔۔ وہ اس کے التفات کی ایک نگاہ کو ترس رہی تھی اور اس نے کیا‘ کیا سوچ کر خود کو ہلکان کر رکھا تھا۔ اب بندہ پوچھے ان سے‘ خوشی کب سے مادی چیزوں سے مشروط ہونے لگی۔ میں کیا مادہ پرست لگتی ہوں ان کو۔

”میں تمہیں وقت دینا چاہتا تھا۔ آپا نے بھی ساری بات سن کے یہی کہا تھا کہ تمہارا خیال رکھوں۔ تمہیں تنگ نہ کروں‘ کوئی زبردستی نہ کروں تمہارے ساتھ۔۔۔ تاکہ وقت آنے پر تم اپنی مرضی‘ اپنی خوشی کے مطابق فیصلہ کرسکو۔ اسلام آباد میں جب تم لان میں بیٹھی تھیں‘ میں تم سے یہی کہنے آیا تھا۔ تمہیں یہی سب بتانا چاہتا تھا لیکن تم۔۔۔ خیر۔۔۔ اصل میں جب میں اس ماحول۔۔۔ ان سوچوں سے کسی حد تک آزاد ہوا تو میرا دل تمہاری طرف کھنچنے لگا تھا۔ تم سے فاصلہ برقرار رکھنا مشکل تر ہوتا جارہا تھا۔ میرے لیے۔۔۔ یقین کرو میں نے پوری کوشش کی تھی تم سے دور رہوں۔۔۔ لیکن اس رات۔۔۔ مجھے نہیں پتا۔۔۔ میں نے ارادتاً کچھ نہیں کیا‘ میں تو صرف تمہیں بتانے آیا تھا کہ کل ہم واپس جائیں گے‘ تم تیار رہنا۔۔۔ اس رات کے بعد تمہاری ناگواری۔۔۔ بلکہ اپنے لیے نفرت واضح محسوس کرسکتا تھا میں۔۔۔“ اس نے اپنے بال مٹھیوں میں بھینچے۔ ”مجھے معاف کردو ارسہ!“

ارسہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ ہاں اس نے واقعی نفرت محسوس کی تھی اپنے دل میں تقی کے لیے۔۔۔ لیکن اس کی وجہ وہ نہیں تھی جو وہ سمجھ رہا تھا۔

”مجھے پتا ہے‘ اب اس معافی کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں نہیں کہتا تم مجھے لازماً معاف کرو۔۔۔ نہیں کرتا۔۔۔ مت کرو۔۔۔ سزا دو۔۔۔ جو چاہے سزا دو۔“

(سزا۔۔۔ اف اب آپ چپ ہی کر جائیں تو بہتر ہے‘ بہت بول لیا آپ نے۔۔۔) ارسہ کو ترس آرہا تھا اس پر۔۔۔ وہ سمجھتی تھی صرف وہی مشکل میں ہے۔۔۔ مگر تقی اس سے زیادہ تکلیف میں تھا۔ یہ اس کو آج پتا چلا تھا۔ ارسہ کا معصوم سا دل اس کی پریشانی کا سوچ کر پگھلا۔

”اگر تم بچے کی ذمہ داری نہیں چاہتیں‘ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں‘ اپنے منگیتر سے شادی کرنا چاہتی ہو یا اس کے علاوہ کچھ۔۔۔ بلا جھجک اپنی خوشی سے فیصلہ کرو۔ تم جو بھی فیصلہ کروگی مجھے منظور ہوگا۔ میں تمہیں پوری طرح سپورٹ کروں گا۔“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا۔ کسی نے گیٹ زور سے دھڑ دھڑایا۔ لوہے کے گیٹ کی زوردار آواز پر دونوں اچھل کر رہ گئے۔ شام گہری ہوچکی تھی اور سردی بڑھ گئی تھی مگر دونوں کو اس کا احساس نہیں تھا۔

”تم اندر جاؤ۔۔۔“ وہ کہتے ہوئے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ ارسہ نے چائے کے کپ کو دیکھا۔ جس کا ایک گھونٹ بھی نہیں لیا گیا تھا۔ بھاپ اڑاتا چائے کا کپ ٹھنڈا ہوچکا تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔

* * *

گیٹ پر ساتھ والی ثمینہ باجی کا بیٹا تھا۔ ”مما کہہ رہی ہیں۔۔۔ پانی بھرلیں‘ میں موٹر چلانے لگی ہوں۔“ پیغام پہنچا کر واپس بھاگ گیا۔ پانی بھرنا تقی کی ہی ذمہ داری تھی۔ ارسہ باہر ہوتی تو پانی کی بوتلیں اٹھالیتی اور تقی خاموشی سے اٹھانے دیتا۔ وہ کہیں اور مصروف ہوتی تو کولر اور دو بوتلیں خود ایک ہی بار اٹھا کر لے آتا۔ پینے کا تازہ پانی بھر کر کچن میں رکھا اور واپس آیا۔ ارسہ اپنی چارپائی پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھی تھی۔

تقی ارسہ کے مقابل اپنی چارپائی پر اسی کے انداز میں ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ کیا ارسہ کو کچھ نہیں کہنا تھا؟ اس نے چھ مہینوں کی بات کی تھی۔ اتنی لمبی بات کے بعد اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا؟ تقی کی آنکھوں

میں بے قراری ابھری۔ وہ اتنی خاموش کیوں ہے؟ ارسہ نے اچانک بولنا شروع کیا۔

"میری پیدائش سے پہلے میرے والدین میں علیحدگی ہو چکی تھی۔ امی اور میں نانا کے گھر رہتے تھے۔ مجھے میری نانی نے بتایا تھا کہ میرے امی بابا کی پسند کی شادی تھی۔ جس کی وجہ سے میرے دادا نے بابا کو گھر سے نکال دیا تھا لیکن وہ کچھ عرصہ ہی اپنی پر آسائش زندگی کے بغیر رہ پائے تھے۔ پھر ان دو چیزوں دولت اور اپنی محبوب بیوی (جو ان کے بچے کی ماں بھی بننے والی تھی) پر دولت کو ترجیح دی اور امی کو چھوڑ کر دادا کی مرضی سے دوسری شادی کرلی۔ آپ کو یا کسی کو بھی اس بات پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ انہوں نے مجھے ایسے کیسے چھوڑ دیا۔ وہ ایسے ہی ہیں۔ "بزدل اور خود غرض" امی اس بارے میں بات نہیں کرتی تھیں۔ میں نے بابا کو تصویر کے علاوہ پہلی بار امی کی ڈیتھ کے بعد دیکھا تھا اور پھر وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ جس پر میری سوتیلی امی اور بابا کا زبردست جھگڑا ہوا تھا مگر پھر وہ "مصلحتاً" خاموش ہو گئیں۔ جس کی وجہ اب سمجھ میں آتی ہے۔ خیر ان کے علاوہ اس گھر میں ایک میری سوتیلی بہن نور اور دو چھوٹے بھائی فیضان اور مبشر تھے۔

نور کا رویہ شروع میں میرے ساتھ اچھا تھا لیکن بعد میں۔۔۔ دراصل وہ اپنے ماموں کے بیٹے احسن بھائی کو پسند کرتی تھی اور وہ بھی اس کو بہت محبت اور توجہ دیتے تھے مگر یہی بات نور کو میرے لیے بالکل پسند نہ آئی۔ ایک دن میں برآمدے میں بیٹھی تھی۔ میرے سامنے نور اپنے ماموں کے گھر گئی مگر جلد ہی بہت غصے میں لوٹی اور میرے پاس آکر زور' زور سے چلانے لگی۔ وہ مجھے گالیاں دے رہی تھی۔ بہت برا بھلا کہہ رہی تھی کہ میں احسن بھائی کو اس سے چھین لینا چاہتی ہوں۔ وہ ایسا کبھی نہیں ہونے دے گی۔

احسن بھائی اپنی امی کو میرے لیے پرپوزل لانے کو کہہ رہے تھے۔ اس بات کی وجہ سے نور آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ مجھے احسن بھائی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نے نور کو یقین دلانے کی بہت کوشش کی تھی مگر نور کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھی۔ اب وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ شامل ہو گئی تھی' ان کے ہر منصوبے میں' دونوں مل کر روز کوئی نہ کوئی الزام میرے سر دھر دیتیں اور بابا کی طبیعت سے واقف ہونے کی وجہ سے کامیاب بھی رہتیں۔ کچھ ہی عرصے میں حالات ایسے ہو گئے تھے کہ بابا اچھے خوش گوار موڈ میں بھی مجھے دیکھ لیتے تو ان کے ماتھے پر بل آجاتے۔

اکیڈمی میں جو ہوا' وہ سب بھی فریم کیا گیا تھا۔ میں اس سے بچ نہیں سکتی تھی' کیونکہ وہ سب ملے ہوئے تھے۔ نوکر تک ان کے تابع تھے۔ وہ سب وہاں اس طرح نہ ہوتا تو کہیں اور ہو جاتا لیکن وہاں ہونے کا نقصان یہ ہوا کہ آپ بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔" ارسہ آنسو ضبط کرتے ہوئے بہت روانی سے بول رہی تھی۔

"جو بھی ہوا اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھے پتا ہے آپ کی نیت بری نہیں تھی۔ آپ اس بات کو لے کر گلٹی فیل مت کریں' پلیز۔" تقی ساکت بیٹھا اسے سن رہا تھا۔

"ایک اور بات. جس نے آپ کو بھی پریشان کیا ہوا ہے اور میری سمجھ میں بھی نہیں آرہا کہ میری منگنی والی بات آپ تک کیسے پہنچی؟ کالج کی اور لڑکیوں نے بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھا تھا۔" اس بات پر تقی کے تاثرات بدلے تھے۔ "نور نے یہ بات احسن بھائی سے کہی تھی' تاکہ وہ مجھ سے دور رہیں۔ احسن بھائی نے بھی یہی سوال کیا تھا مجھ سے' لیکن میری کوئی منگنی نہیں ہوئی۔ کبھی نہیں ہوئی۔" زور دیتے ہوئے بولی۔

"کیا واقعی؟" تقی بے اختیار بول پڑا۔

"جی۔۔۔" "لیکن آپ سے ایسا کس نے کہا؟

"مجھے۔۔۔ میں پہلے چھٹی سے پانچ منٹ پہلے کالج سے نکل آیا کرتا تھا نا۔ اس روز کالج گیٹ پر ایک لڑکی کار سے نکلتے ہوئے کسی سے کہہ رہی تھی۔ آپ ارسہ کا پیچھا چھوڑیں اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے منگیتر کو پسند کرتی ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے یہ

READING Section
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

سب وہ مجھے سنا رہی ہو۔ وہ لڑکی غصے میں تھی۔ اس لیے اس کی آواز خاصی اونچی تھی۔ ہاں یہ۔۔۔ وہ نور ہی تھی جو اکیڈمی میں بھی تمہارے ساتھ آئی تھی۔"

"اس دن احسن بھائی کا برتھ ڈے تھا۔ انہوں نے نور کو اس کے اسکول سے پک کیا اور پھر مجھے لینے آئے تھے۔ تاکہ ہمیں لنچ پر لے جاسکیں۔ وہ ہمیشہ نور کو اپنی برتھ ڈے پر لنچ پر لے جاتے تھے۔ اب مجھے بھی لینے آئے تھے۔ نور اسی وجہ سے غصے میں تھی اور شاید وہاں سے ہی کچھ اور لڑکیوں نے سنا ہوگا یا کسی ایک نے سنا ہوگا اور آگے بات کی ہوگی۔" تقی سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔ اس سے زیادہ آج تک کسی بات نے یوں مضطرب نہیں کیا تھا مگر اس بات کی حقیقت کیا تھی۔ جس کی وجہ سے اس نے ایک لمبا عرصہ اتنی تکلیف میں گزارا تھا۔

ارسہ تھوڑی دیر سوچنے کے لیے رکی کہ اسے مزید کس بات کی وضاحت کرنی تھی' پھر بولی۔ "سر! میرے بابا نے آپ کے ساتھ جو کیا میں اس پہ بہت شرمندہ ہوں۔"

"نہیں۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔ بھول جاؤ اس کو۔ ہم کبھی اس پر دوبارہ بات نہیں کریں گے۔" ارسہ کو ٹوکتے ہوئے قطعیت سے بولا۔

"اوکے۔۔۔" ارسہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ گھر اور سہولیات کی بات کر رہے تھے۔ میں نے جس گھر میں ہوش سنبھالا' وہ اس سے زیادہ مختلف نہیں تھا لیکن وہ میری زندگی کا خوب صورت دور تھا۔ میں کبھی اس چیز کو لے کر احساس کمتری کا شکار نہیں ہوئی کہ میرے پاس اچھا بڑا گھر اور قیمتی چیزیں نہیں ہیں۔ اگر کبھی ایسا خیال آیا بھی تھا تو اب احساس ہوتا ہے کہ میں غلطی پر تھی۔ خوشی ان چیزوں کی محتاج نہیں ہوتی' اگر ہوتی تو اپنے باپ کے عالی شان گھر میں گزرا وقت مجھے بھیانک خواب کی طرح نہ لگتا۔ خوش وہی لوگ رہتے ہیں جو اپنے پاس موجود نعمتوں پر راضی رہتے ہیں اور شکر ادا کرتے ہیں۔ ورنہ خواہشات کی تو کوئی حد نہیں ہوتی۔ سب جانتے ہیں یہ بات اور ہمیں یاد بھی رکھنی چاہیے۔" تقی کو اپنی جھنجلاہٹیں یاد آئیں۔ وہ کیا کیا سوچتا رہتا تھا۔

"آپ سہولیات سے نہیں اپنے رویے سے میری زندگی میں آسانی لا سکتے تھے مگر آپ تو مجھے اپنی زندگی میں شامل کر کے لاتعلق ہی ہو گئے۔ کبھی مجھے جاننے' سننے کی کوشش ہی نہیں کی۔" ارسہ نے آج ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

"آئم سوری ارسہ! میں مانتا ہوں۔ میں کچھ غلط فہمیوں کا شکار ہو گیا تھا لیکن تم نے بھی تو ایسی کوئی کوشش نہیں کہ یہ سب بہتر ہو جاتا۔"

"آپ اپنے چہرے پر نو لفٹ کا بورڈ چسپاں کیے رکھتے تھے۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ آپ سے کوئی بات کرتی' بلکہ مجھے تو ضرورت کی' مختصر سی بات کرنا بھی ہمیشہ مشکل لگا ہے۔ آپ نے پتا نہیں کیا سوچ سوچ کے اپنے اور میرے درمیان پہاڑ کھڑے کر رکھے تھے۔ آپ تک کیسے پہنچ پاتی اور دوسرا یہ کہ۔۔۔" تقی جواب میں کچھ کہنے والا تھا۔ پھر "ہاں بولو" کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"دوسرا یہ کہ مجھے لگتا تھا کہ آپ مجھے سخت ناپسند کرتے ہوں گے۔ کیونکہ مجھے زبردستی آپ پر مسلط کر دیا گیا تھا اور میں سوچتی تھی ہو سکتا ہے آپ پہلے سے شادی شدہ ہوں' منگنی شدہ ہوں اور نہیں تو شاید کہیں کمیٹڈ ہوں۔ کچھ بھی ممکن تھا۔" تقی ہنس دیا۔

ارسہ نے اسے قدرے الجھ کر دیکھا۔

"ارسہ صرف میں نے ہی نہیں کچھ اخذ کیا اپنی طرف سے' تم نے بھی کیا۔ نو لفٹ کا بورڈ' شادی شدہ' منگنی شدہ' کمیٹڈ۔۔۔ اب تو جانتی ہو' ایسا کچھ نہیں تھا مگر خیر اب کیا ہو سکتا ہے۔" تقی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "اب سو جاتے ہیں' تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"جی بالکل سو جاتے ہیں۔" ارسہ تیزی سے بولی اور لیٹ بھی گئی۔ (اگلی بات ابھی نہیں کر سکتی تھی۔) تقی کو بھی تھوڑی حیرت ہوئی' اس کے اس طرح اچانک بات ختم کرنے پر۔

ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

"ارسہ! کھانا کھا کر۔۔۔" تقی نے ٹوکا۔

"جی اچھا۔۔۔" ارسہ جھینپ کر کہتے ہوئے پھر اٹھ بیٹھی۔ کھانا کھا کر، سونے تک ان کی آپس میں مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ اگرچہ کہنے سننے کو اور بہت کچھ تھا مگر آج جو باتیں ہوئی تھیں، دونوں اپنی اپنی جگہ ان ہی کو سوچنے اور سمجھنے میں مصروف تھے۔

* * *

وہ اتوار کی سنہری، خوش گوار سی صبح تھی۔ ارسہ کی آنکھ اپنے وقت پر ہی کھل گئی تھی۔ وہ کمبل ہٹاتے ہوئے اٹھی اور تقی کی چارپائی کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرف کروٹ لیے بے خبر سو رہا تھا۔ تقی کو سوتے ہوئے دیکھنا اس کو ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ سوتے ہوئے اس کے چہرے پر اتنی معصومیت ہوتی کہ ارسہ کے لیے نظریں ہٹانا مشکل ہو جاتا۔ وہ استحقاق سے دیکھتے ہوئے مسکرائی اور اپنی جگہ سے اٹھی۔ آج وہ ناشتے میں کچھ خاص بنانا چاہتی تھی۔ ارسہ ناشتا تیار کرکے تقی کو اٹھانے آئی۔ وہ ابھی تک اسی طرح بے خبر سو رہا تھا۔ وہ اس کی نیند میں خلل تو نہیں ڈالنا چاہتی تھی مگر ناشتا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

"سر!" تھوڑا جھک کر تقی کا کندھا ہلایا۔ پہلے کبھی قریب نہیں جاتی تھی۔ دور سے اس وقت تک آوازیں دیتی رہتی جب تک وہ اٹھ نہ جاتا۔

"سر اٹھیں ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"ہوں اچھا۔۔۔" تقی آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا۔ تقی کے منہ ہاتھ دھونے تک ارسہ نے ناشتا میز پر لا کر رکھا۔

تقی "واؤ" کہتے ہوئے ناشتے سے انصاف کرنے لگا۔ اسے رغبت سے کھاتے دیکھ کر ارسہ کو خوشی ہو رہی تھی۔ اپنا ناشتا ختم کرکے وہ اٹھی اور تقی کو چائے دی۔

"تم خود چائے کیوں نہیں پیتیں؟" تقی نے آج پوچھ ہی لیا۔

"ویسے ہی، مجھے پسند نہیں۔" سادگی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔

"کمال ہے۔" تقی بہت حیران ہوا تھا اس بات پر۔ ارسہ چائے بالکل نہیں پیتی تھی۔ تقی کی کوئی کال آ رہی تھی۔ موبائل سائلنٹ تھا اور اسکرین بار بار روشن ہو رہی تھی۔

"سر آپ کی کال آ رہی ہے شاید۔" ارسہ کی نظر پڑی تو بولی۔

"سر کی بچی، آتی رہے کال، یہ تم مجھے "سر" کیوں کہتی ہو۔ جیسے کسی اجنبی سے بات کی جاتی ہے۔ جب تم مجھے سر کہہ کر مخاطب کرتی ہو تو مجھے لگتا ہے تم کہہ رہی ہو حد ادب۔۔۔ فری ہونے کی کوشش مت کرنا۔ یہ جو تم مجھے سر سر کہہ کر چڑھاتی رہی ہو نا اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔" تقی منہ بناتے ہوئے بولا۔ ارسہ کا منہ پہلے تو حیرت سے کھلا، پھر ہنسی آئی مگر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"جی اسی بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے مجھے کلاس سے باہر نکالا تھا نا۔ اس کے لیے میں بھی آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"تمہیں ابھی تک یاد ہے۔" تقی ہنسا۔

"مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کیونکہ ایسا میرے ساتھ پہلی اور آخری مرتبہ ہوا ہے۔"

تقی کو یاد آیا کہ اس نے کیوں ارسہ کو کلاس میں نہیں آنے دیا تھا۔ "تم نے مجھے اگنور کیوں کیا تھا؟" تقی نے ابرو اچکایا۔

"میں نے اگنور نہیں کیا تھا۔ میں سر سے بات کر رہی تھی۔"

"جو بھی تھا لیکن تمہارے تاثرات بڑے مزے کے تھے اس وقت۔" تقی کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔

"کیا۔۔۔؟" ارسہ نے مصنوعی غصے سے گھورا۔ "تو ٹھیک ہے، پھر میں کالج میں بھی "سر" نہیں کہوں گی اب۔"

"کیا واقعی؟" تقی نے آنکھیں پھیلائیں۔

"جی بالکل۔۔۔ اور اب مجھ پر اس طرح رعب

جمانے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" ارسہ نے بیویوں والی دھونس جمائی۔ پھر موبائل کی طرف اشارہ کرکے خالی کپ اٹھاتے وہاں سے اٹھ گئی۔ تقی قہقہہ لگاتے ہوئے موبائل کی طرف متوجہ ہوا۔

* * *

بے یقین ہونے سے پہلے دعائیں سن لی گئی تھیں۔ غلط فہمیوں کے بادل جو ان کے درمیان دوری اور اجنبیت کا موجب بنے ہوئے تھے' چھٹ گئے تھے۔ ایک وقت لگا تھا' مگر اب ارسہ کو اپنی کوئی تکلیف یاد نہیں رہی تھی۔ وہ معمول کے کام نپٹا کر کتابیں لے کر صحن میں آبیٹھی تھی۔ تقی ناشتے کے بعد کہیں چلا گیا تھا اور اب خود ہی پیچھے گیٹ سے اندر آگیا تھا۔ کچن سے ایک ٹوکری میں مالٹے اور پلیٹ لے کر ارسہ کے ساتھ آکر بیٹھا۔

"چلو مالٹے کھاتے ہیں۔"

اس وقت ارسہ کو کچھ ایسا ہی کھانے کی خواہش ہو رہی تھی۔ وہ ایک دم مسکرائی۔

"ضرور۔۔۔" اسے اپنے دل میں خوشی اور طمانیت کی لہریں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"پہلے مقابلہ ہوگا۔ سب مالٹے چھیل کر اس پلیٹ میں رکھیں گے۔ پھر کھائیں گے۔ اب چھیلنا شروع کرو' دیکھتے ہیں کون زیادہ چھیلتا ہے۔" تقی ٹوکری میں آٹھ مالٹے رکھ کر لایا تھا۔

ارسہ نے مسکرا کر "اوکے" کہتے ہوئے چیلنج قبول کیا۔

اس نے نفاست سے چھیلتے ہوئے بمشکل تیسرا مالٹا اٹھایا تھا کہ تقی نے تیزی سے باقی سارے مالٹے چھیل کر ہاتھ اٹھا دیے۔ "میں جیت گیا۔" جبکہ جلدی چھیلنے کے چکر میں بہت سے مالٹے زخمی کر دیے تھے۔

"نفاست بھی کسی چیز کا نام ہے۔" ارسہ نے ناک چڑھائی۔

"میڈم مقابلہ نفاست کا نہیں' زیادہ چھیلنے کا تھا۔" اس نے مکھی اڑائی۔

"اوکے۔۔۔" ارسہ کو مانتے ہی بنی۔ "لیکن اب یہ کھائے گا کون؟"

تقی نے ٹوکری ہٹا کر پلیٹ درمیان میں رکھی۔ "تم دیکھتی جاؤ۔" ارسہ اور وہ چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ارسہ مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہنستا مسکراتا' باتیں کرتا کتنا مختلف لگ رہا تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے کو زندگی کی رونق اور جاذب نظر بنا رہی تھی۔

"ارسہ۔۔۔!"

"جی۔۔۔" وہ تھوڑا چونکی۔

"ارسہ! تم بے بی کی ذمہ داری سے پریشان تو نہیں ہو؟ سچ بتانا۔"

"نہیں زیادہ پریشان نہیں ہوں۔" ارسہ مسکرائی۔

"اور کم پریشان کس بات پر ہو؟" تقی نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں سوچ رہی ہوں' میں بہت موٹی ہو جاؤں گی۔ کالج میں عجیب لگے گا' ہے نا؟" اس نے تائید چاہی۔ تقی ہنس پڑا۔

"نہیں یار۔۔۔ اتنی کیوٹ لگو گی تم۔ کب سے تمہیں اتنا سلم دیکھ رہا ہوں۔ کچھ چینج تو ہونا چاہیے نا۔ ویسے دو' تین ماہ میں پیپرز ہو جائیں گے۔ پہلے ہی فری ہو جاؤ گی کالج سے' کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔"

"ہاں واقعی۔۔۔" ارسہ نے مطمئن ہو کر مالٹے کی پھانک منہ میں رکھی۔ پھر تھوڑا سوچ کر گویا ہوئی۔

"میں ایک نیا یونیفارم بنوا لوں گی' ٹھیک ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔۔۔" تقی نے اتفاق کیا۔

"خوش۔۔۔؟" تقی نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکایا' جبکہ اس کی آنکھوں میں کوئی الجھن تیر رہی تھی۔

"میں ناخوش کیوں ہوں گی؟" ہاتھ میں پکڑی پھانک واپس پلیٹ میں رکھی۔

"تقی آپ نے دیکھا۔ ابھی تو بے بی اس دنیا میں آیا بھی نہیں اور کتنی چیزیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔" وہ حیا سے جھکی پلکوں کے ساتھ بول رہی تھی۔

تقی کے اندر جیسے ٹھنڈک اتری۔ کتنا اچھا لگا تھا'

READING
Section

اس کے منہ سے اپنا نام سنتا۔ ”ہاں واقعی… کتنی چیزیں ٹھیک ہوگئی ہیں۔“ ارسہ کے چہرے پر نظریں گاڑھے بھرپور انداز میں مسکرایا۔

”بالکل…“ ارسہ نے سرہلایا۔ ”کسی انسان کا اس طرح کی نعمت پر ناشکراپن جچتا ہے؟“

”بٹ ارسہ! اسلام آباد میں وہ سب کیا تھا؟ وہ میری غلط فہمی تو نہیں ہوسکتی۔“ ارسہ جو ابھی تقریر کے موڈ میں آئی تھی۔ اس کی بات پر جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

”نہیں… غلط فہمی تو نہیں تھی۔“ اب ارسہ سے سر نہیں اٹھایا جارہا تھا۔

”تو…“

”کیا آپ اس سب کو بھول نہیں سکتے؟“ ارسہ نے فرار کی راہ تلاشنی چاہی۔

”ویل… بھول تو جاؤں گا ہی… لیکن…“

”وہ مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ ازدواجی زندگی کا کیا مطلب ہوتا ہے ’میریڈ لائف‘ میاں بیوی کے حقوق و فرائض کیا ہوتے ہیں۔ یہ ساری باتیں اگلی صبح مجھے آپا نے سمجھائی تھیں۔“ ارسہ نے تقی کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہہ دیا۔

”کیا؟“ بات سمجھنے کے بعد تقی کی آنکھیں پھٹیں۔ وہ کھڑا ہوگیا۔

”یعنی تم نے آپا کو بتادیا کہ میں… یعنی تمہیں آپا نے بتایا کہ… یعنی تم…“ تقی کوئی بھی جملہ مکمل نہیں کرپایا تھا۔ ”ار… سہ!“ اب دونوں ہاتھ منہ پر رکھے رکوع میں جھکا تھا۔ ارسہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر حوصلہ دیتے ہوئے بولی۔

”ہاں… لیکن اب میں سینس ایبل (سمجھ دار) ہوچکی ہوں۔“

”کیا کہا؟“ تقی جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

”سینس ایبل“۔ تقی کے حلق سے قہقہہ برآمد ہوا۔

”فائنلی… اتنی سمجھ دار بیوی میرے لیے بہت بڑا گفٹ ثابت ہوسکتی تھی مگر بچت ہی ہوئی۔“ ارسہ کو اس کی آخری بات سمجھ نہیں آئی مگر سرہلادیا۔

* * *

یہ اسلام آباد کے ایک پرائیویٹ اسپتال کا کمرہ تھا۔ تقی اپنی بیٹی کو احتیاط سے اٹھائے کھڑا تھا۔ ارسہ نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں خوشی اور تشکر کے جذبات کے تحت نم ہورہی ہیں۔ وہ سر جھکائے اپنی بیٹی کو دیکھے جارہا تھا۔ آپا نے تقی کے لیے کرسی ارسہ کے بیڈ کے قریب رکھی‘ ارسہ کا ماتھا چوما اور باہر نکل گئیں۔

”تقی بیٹھ جائیں۔“ ارسہ نے کہا۔

”ارسہ… دیکھو… دیکھو نا… یہ ہماری بیٹی ہے۔“ ارسہ کے قریب ہوکر بچوں کی طرح اسے دکھانے کی کوشش کررہا تھا۔ ارسہ نے بھی نم آنکھوں سے مسکراتے اثبات میں سرہلایا۔

”اللہ نے ہمیں کیا عطا کردیا۔ کتنی بڑی خوشی دے دی۔ میں اللہ کا شکر ادا کیسے کرپاؤں گا؟“ اس کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہورہا تھا۔ پھر رخ پھیر کر خود پر قابو پاتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا اور خاموشی سے سر جھکائے اپنی بیٹی کو دیکھنے لگا اور ارسہ‘ تقی کو۔ اسے شام کو ڈسچارج ہوجانا تھا۔

”ارسہ! جب یہ بڑی ہوجائے گی‘ تب تم اس کی آپا لگوگی۔ جیسے میری آپا۔ تمہیں پتا ہے‘ آپا کی اور میری عمر میں بیس سال کا فرق ہے اور تمہارا ہوا اٹھارہ کا۔“

”میرا سترہ کا۔ میں چار دن بعد سترہ سال کی ہوجاؤں گی۔“ ارسہ نے تصحیح کی۔

”سترہ کیسے؟ سولہ میں میٹرک اور اٹھارہ میں انٹر اور تم انٹر کرچکی ہو۔“

”نہیں… میں ایک سال آگے ہوں۔ میں نے ایک سال پہلے اسکول جانا شروع کردیا تھا۔“ ارسہ نے فخر سے بتایا۔

”سمجھ گیا۔ تم آفت کی پرکالا ہوگی۔ اس لیے تمہاری اماں نے تمہیں۔ ایک سال پہلے اسکول بھیج دیا۔“ تقی نے دانت نکالے۔ وہ ایک نظر ارسہ کو دیکھتا اور واپس اپنی گود میں سوئی نرم و نازک گلابی سی بچی کو دیکھنے لگا۔

”جی نہیں۔۔۔ میری اماں کو مجھے پڑھانے کا شوق تھا۔ اس لیے مجھے ایک سال پہلے اسکول میں داخل کرایا تھا۔“

”تم مجھ سے آٹھ سال چھوٹی ہو۔“ تقی پر ابھی ابھی انکشاف ہوا تھا۔ ”میں پچیس کا ہوں۔“

ارسہ کو پہلے ہی پتا تھا۔ ایک اور ریسرچ کے مطابق عورتیں مردوں کے مقابلے میں زیادہ تفصیلات نوٹ کرتی ہیں اور یاد بھی رکھتی ہیں۔ ارسہ نے اس دن بڑی باریک بینی سے تقی کے ڈاکومنٹس کا جائزہ لیا تھا۔

”لیکن آپ نے ایک سال کیا کیا؟ بائیس سال میں ماسٹرز مکمل ہونا چاہیے تھا۔ ایک سال اسلام آباد میں جاب کی، ایک سال یہاں ہوگیا۔ اب آپ کو ابھی چوبیس کا ہونا چاہیے تھا نا۔“

”تم ایک سال آگے ہو سکتی ہو۔ میں ایک سال پیچھے نہیں ہو سکتا۔“ تقی نے منہ بنایا۔ ”خیر تمہیں تو ویسے ہی ہر کام جلدی جلدی کرنے کا شوق ہے۔ جلدی اسکول گئیں۔ جلدی شادی کی اور اب جلدی ہی اماں بھی بن گئیں۔“

”تقی۔۔۔“ اس کی طرف رخ کیا۔

”ویسے تو ایک منٹ بھی خاموش نہیں رہ سکتے۔ اتنا عرصہ چپ کیسے رہے تھے؟“

”ہاں واقعی۔۔۔ پتا نہیں کیوں، میری بولتی بند ہوگئی تھی لیکن اس میں بھی تمہارا ہی قصور ہے۔ تم نے مجھے اتنا ڈرا کے رکھا ہوا تھا اور ابھی بھی ڈراتی ہو۔“

”میں ڈراتی ہوں۔۔۔؟“ ارسہ پر صدماتی کیفیت طاری ہوئی۔ ”بس اب کچھ مت بولیے گا آپ۔“

”جی اچھا۔۔۔“ بڑی فرماں برداری سے فرمایا گیا مگر جس طرح خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ ارسہ کو اندازہ تھا ابھی پھر کوئی پھلجھڑی چھوڑے گا۔

”ویسے اب میں سمجھ سکتا ہوں۔ تم اتنی دیر بعد سینسس ایبل کیوں ہوئیں۔“

”آ۔۔۔ تقی! اٹھیں اور جائیں یہاں سے۔“

”تم مجھے جانے کا کہہ رہی ہو؟“ تقی کو جیسے یقین نہ آیا۔

”آپ نے دیکھا۔ مما آپ کے بابا کو کیا کہہ رہی ہیں۔ تم ذرا میری پرنسز کو بڑا ہونے دو، پھر دیکھنا۔“ ارسہ نے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ وہ آنکھیں بند کرکے لفظ ”مما“ کی مٹھاس محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ٹھیک ہے۔ اب کوئی بات نہیں کروں گا میں تم سے۔“ تقی نے فیصلہ کن انداز اپنایا اور خاموش ہوگیا۔ ارسہ نے گردن موڑ کر تقی کو دیکھا اور مسکرائی۔

”تقی!“ تقی نے ان سنا کیا۔

”تقی۔۔۔ ی۔۔۔“ اب کی بار چیخ سے مشابہ آواز میں بلایا۔

”کیا ہے؟“ اب کی بار وہ نظر انداز نہ کرسکا۔

”خاموش تو خود بھی نہیں رہ سکتیں نہ تم۔“

”ایسا ہی ہے۔“ ارسہ مسکرائی اور سیدھی ہوتے ہوئے نظریں چھت پر گاڑ دیں۔

”مجھے دنیا میں صرف ایک مرد سے محبت ہوئی ہے اور وہ آپ ہیں اور میری دنیا آپ سے شروع ہو کر آپ ختم ہوتی ہے۔ یہ سب میں اس وقت نہیں کہہ پائی تھی، جب آپ نے کہا تھا۔“ تقی اس کو دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ دھیان سے سن رہا تھا۔

”ارسہ! میں کب سے یہ سننا چاہتا تھا یار۔ تب نہیں تو کیا اس کے بعد بھی تمہیں کوئی ایسا موقع نہیں ملا کہ تم مجھے یہ سب بتاتیں؟ اگر یہ سب کہنے کے لیے تم آج کی طرح کسی خاص موقع کا انتظار کر رہی تھیں نا۔۔۔ تو تم بہت بے وقوف ہو۔“

ارسہ نے واپس چھت کی طرف دیکھتے ہوئے افسوس سے کہا۔ ”مجھے پتا ہے۔ میں بہت سی غلطیاں کرتی ہوں۔“

”ان غلطیوں کے باوجود بھی تم مجھے دل و جان سے قبول ہو۔ اگر وقت پیچھے جائے اور مجھے انتخاب کا موقع دیا جائے، تب بھی میں تمہارا ہی انتخاب کروں گا۔“ تقی نے بات ہی ختم کردی۔

”تقی آپ اتنے خاص ہیں کہ مجھے آسانی سے مل

بھی نہیں سکتے تھے۔ مجھے لگتا تھا' میرے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ اتنا برا کبھی کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا ہے۔ ماں' باپ' گھر اور میری عزت بھی۔ اس الزام کے بعد میں خود اپنی نظروں میں گر گئی تھی۔ میں رات کو اکیلے گھر میں نہیں رہ سکتی تھی مگر اس وقت ذلت اور بے عزتی کا احساس اتنا گہرا تھا کہ مجھے بھول گیا تھا' میں کہاں ہوں۔ کتنا اندھیرا ہے اور کس ویرانے میں پڑی ہوں۔ مجھے بس یہی احساس تھا کہ میرے منہ پر مٹی لگی ہے۔ جو لوگوں کے جوتوں سے وہاں پہنچی تھی۔" اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا اور کنپٹی سے بہتا ہوا بالوں میں جذب ہو گیا۔ "اس کے بعد بھی ذہنی اذیت کی کوئی حد نہیں تھی۔ مجھے حیرت ہوتی کہ میں زندہ کیسے ہوں۔

لیکن آپ کو پتا ہے نقی! اتنا سب برا ہونے کے باوجود بھی کچھ چیزیں بہت مثبت تھیں' جنہیں میں تب محسوس نہیں کر سکتی تھی۔ کیا ہوتا اگر آپ کوئی بدفطرت انسان ہوتے؟ اگر آپ اگلی صبح اکیڈمی نہ آتے یا پرنسپل کو بلا کر نہ لاتے؟ کیا ہوتا اگر آپ میرے ساتھ نکاح جیسا پاکیزہ رشتہ نہ جوڑتے اور میرے باپ کے تھپڑ اور گالیوں کا بدلہ مجھ سے لینے کی کوشش کرتے۔ کیا ہوتا اگر آپ کی فیملی مجھے قبول نہ کرتی۔ جس طرح انہوں نے مجھے محبت اور عزت دی۔ اگر ایسا نہ کرتے تو میرا مقام کیا ہوتا؟ آپ اس شام بھی بات نہ کرتے اور ہمارے درمیان غلط فہمیاں اسی طرح برقرار رہتیں' اس صورت میں مجھے پریگننسی پیریڈ میں کس قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا؟

ایک وقت تھا جب میں سوچتی تھی کہ اس کے بعد میں کبھی خوش ہو ہی نہیں سکتی۔ چونکہ وہ تکالیف کا ایک لمبا دور تھا مگر ایسا نہیں ہوتا۔ تکلیف کی مدت کم یا زیادہ ہو سکتی ہے۔ ہمیں ہرگز ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے دیکھیں' آج میں اتنی خوش ہوں کہ الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ اللہ نے مجھے میری توقعات سے بڑھ کر نوازا ہے۔

ایک مرتبہ عید پر مجھے امی نے بہت خوب صورت اور قیمتی سوٹ دلایا تھا۔ جب میں نے پہن کر دیکھا تو میں بہت خوش ہوئی مگر اگلے ہی لمحے ایک سوچ کی وجہ سے میری خوشی پھیکی پڑ گئی کہ اتنا اچھا سوٹ پہن کر کیا کروں گی؟ کون دیکھے گا مجھے جانا ہی کہاں ہوتا ہے۔ پھر میں نے امی سے پوچھا۔ کیا اس دنیا میں مکمل خوشی نہیں مل سکتی؟ امی نے کہا' نہیں' پوری خوشی تب ملے گی۔ جب ہم پل صراط سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ وہی دائمی خوشی ہوگی۔ تب ہم ہمیشہ خوش رہیں گے۔ یعنی دنیا میں دائمی خوشیاں تو کسی کو مل ہی نہیں سکتیں' کیونکہ دنیا تو اس لیے بنائی ہی نہیں گئی۔ اس کے لیے تو جنت بنائی گئی ہے۔" نقی کی مسکراہٹ ظاہر کرتی تھی کہ وہ اس بات سے متفق ہے۔

*

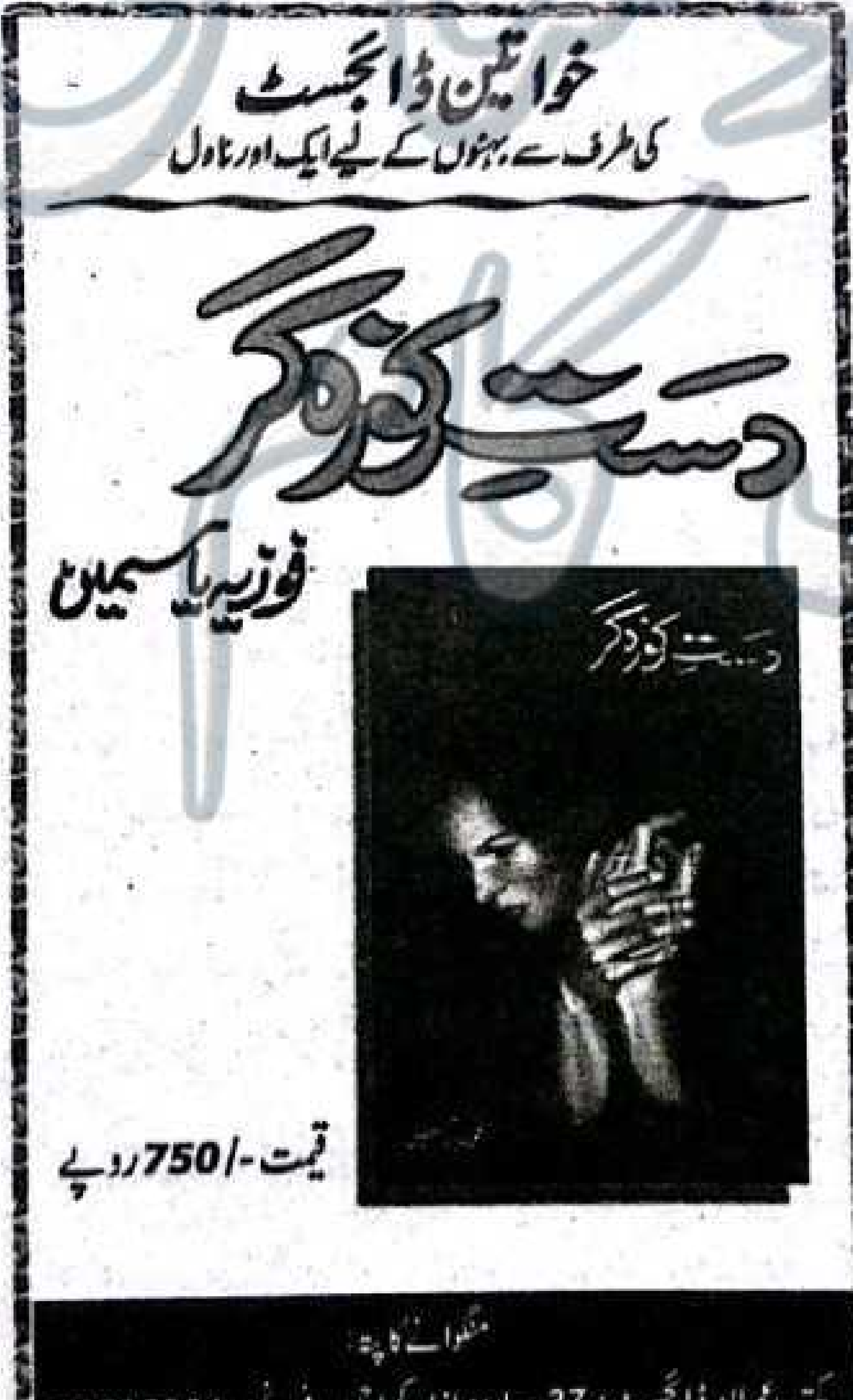

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے

منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021